جنوری ۱۹۷۴ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

و قد اخذ میثاقکم ان کنتم مومنین (القرآن)

ماہنامہ میثاق لاہور

جلد ۲۱	~~جنوری~~ - فروری ۱۹۷۴ء	شمارہ ۲-۱

فہرست مضامین

تذکرہ و تبصرہ		ڈاکٹر اسرار احمد	۱
تدبر قرآن	تفسیر سورہ کہف (۱)	مولانا امین احسن اصلاحی	۹
مقالات	قرآن اور اقبال	سید نذیر نیازی	۲۵
	قرآن حکیم کے دو نکتہ رس اقبال اور رفیع الدین	چودھری مظفر حسین	۳۵
	مقام صدیقی رض (۱)	ڈاکٹر اسرار احمد	۴۴
	عظمت قرآن	ڈاکٹر برہان احمد فاروقی	۶۹
خطوط و نکات	تدبر قرآن کے ایک قاری کا تاثر		۷۲

* مدیر مسؤل *

ڈاکٹر اسرار احمد

ایم بی-بی-یس (پنجاب) -ایم اے اسلامیات (کراچی)

* یکے از مطبوعات *

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۱۲- افغانی روڈ، سمن آباد، لاہور (فون: ۶۸۶۳۵)

اس اشاعت کی قیمت فی پرچہ ۱/۵۰

بدل اشتراک سالانہ -/۱۰ — قیمت فی پرچہ -/۱

مرکزی **انجمن خدّام القرآن** لاھور

کے قیام کا مقصد

مِنبعِ ایمان ـــ اور ـــ سرچشمۂ یقین

قرآنِ حکیم

کے علم و حِکمت کی

وسیع پیمانے ـــ اور ـــ اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر و اشاعت ہے

تاکہ اُمّتِ مسلمہ کے فہیم عناصر میں **تجدیدِ ایمان** کی ایک عمومی تحریک برپا ہو جائے

اور اس طرح

اِسلام کی نشاۃِ ثانیہ ـــ اور ـــ غلبۂ دینِ حق کے دَورِ ثانی

کی راہ ہموار ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

کے اغراض و مقاصد اور اس کے قیام کا مفصل پس منظر تو "اسلام کی نشاۃ ثانیہ : کرنے کا اصل کام" نامی کتابچے کے مطالعے سے سمجھا جا سکتا ہے - تاہم اجمالاً یہ کہا جا سکتا ہے کہ -

۱ - ہمارے موجودہ دینی انحطاط کا اصل سبب یہ ہے کہ مغرب کی بے خدا سائنس اور یورپ کے ملحدانہ فلسفہ و فکر نے بحیثیت مجموعی پوری امت کے ایمان کی جڑوں کو ہلا ڈالا ہے اور خرمن یقین کو جلا کر راکھ کر دیا ہے - اور اب صورت واقعہ یہ ہے کہ عوام الناس کے دل و دماغ میں بالعموم اور جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے قلوب و اذہان میں بالخصوص خدا اور آخرت اور وحی و نبوت ایسے اساسی معتقدات تک کے لیے کوئی جگہ باقی نہیں رہی -

۲ - اندریں حالات اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور غلبۂ دین حق کی لازمی شرط (Pre-Requisite) تجدید ایمان ہے اور قصر اسلام کی تعمیر نو کے لیے ایمان کی ان بنیادوں کی از سر نو تعمیر نا گزیر ہے جو صرف مضمحل ہی نہیں منہدم ہو چکی ہیں -

۳ - تجدید ایمان کی اس مہم میں اولین اہمیت معاشرے کے اس فہیم عنصر (Intelligentsia) اور ذہین اقلیت (Intellectual Minority) کو حاصل ہے جو از خود معاشرے کی ذہنی و فکری قیادت کے منصب پر فائز ہے اور جسے جسد ملت میں وہی مقام حاصل ہے جو ایک فرد نوع بشر کے جسم میں اس کے دماغ (Brain) کو حاصل ہوتا ہے -

۴ - اس طبقے کے قلوب و اذہان میں ایمان کی تخم ریزی اور آبیاری کے لیے لازم ہے کہ خالصتہً قرآن حکیم کی بنیاد پر اور اسی کی ہدایت و رہنمائی کی روشنی میں ایک ایسی زبردست علمی تحریک برپا ہو جو ایک طرف وقت کی اعلیٰ ترین علمی سطح پر ملحدانہ افکار و نظریات کا مؤثر اور مدلل ابطال کرے - دوسری جانب ٹھوس علمی استدلال کی مدد سے حقائق ایمانی کا واضح اثبات کرے تاکہ یقین اور اذعان کی کیفیت پیدا ہو - اور تیسری

طرف ثابت شدہ سائنسی حقائق اور حقیقت کائنات و انسان کے بارے میں قرآن حکیم کے نقطۂ نظر میں ایسی تطبیق پیدا کرے جس سے قلوب مطمئن ہو سکیں (ولٰکن لیطمئن قلبی !)

۵ - اس کے لیے لازم ہے کہ کچھ ایسے نوجوان جو بیک وقت ذہین اور باصلاحیت بھی ہوں اور باہمت اور صاحب عزیمت بھی اور جنھیں اللہ تعالیٰ اپنی کتاب عزیز پر خالص ذاتی نوعیت کا ایمان و یقین عطا فرما دے - اپنی پوری زندگی کو تعلم و تعلیم قرآن کے لیے وقف کر دیں اور اس کتاب حکیم کے فلسفہ و حکمت کی تحصیل اور نشر و اشاعت کے سوا زندگی میں ان کا مقصود و مطلوب اور کچھ نہ رہے -

٦ - اور اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے قرآن مجید کے پڑھنے پڑھانے اور عربی زبان سیکھنے سکھانے کی ایک عام تحریک برپا کی جائے اور علوم قرآنی کی عمومی نشر و اشاعت کا ایک وسیع پیمانے پر اہتمام ہو تا کہ عوام کی توجہات قرآن حکیم کے جانب منعطف ہوں ، ذہنوں پر اس کی عظمت کا نقش قائم ہو ، دلوں میں اس کی محبت جاگزین ہو اور اس کے جانب ایک عام التفات پیدا ہو جائے - اسی سے توقع کی جا سکتی ہے کہ بہت سے ذہین اور اعلیٰ صلاحیتیں رکھنے والے نوجوان بھی اس سے متعارف ہوں گے اور ان میں سے کچھ تعداد ایسے نوجوانوں کی بھی نکل آئے گی جو اس کی قدر و قیمت سے اس درجہ آگاہ ہو جائیں کہ پوری زندگی اس کے علم و حکمت کی تحصیل اور نشر و اشاعت کے لیے وقف کر دیں -

۷ - چنانچہ ''مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور'' کا قیام مندرجہ ذیل مقاصد کے لیے عمل میں لایا گیا ہے -

ا - عربی زبان کی تعلیم و ترویج

ب - قرآن مجید کے مطالعے کی عام ترغیب و تشویق

ج - علوم قرآنی کی عمومی نشر و اشاعت

د - ایسے نوجوان کی مناسب تعلیم و تربیت جو تعلیم و تعلم قرآن کو مقصد زندگی بنالیں ، اور

ہ - ایک ایسی "قرآن اکیڈیمی" کا قیام

جو قرآن حکیم کے فلسفہ و حکمت کو وقت کی اعلیٰ ترین علمی سطح پر پیش کر سکے -

اللہ تعالیٰ ہمیں ان مقاصد کے لیے بیش از بیش کوشش اور ایثار کی توفیق عطا فرمائے (امین)

متذکرہ بالا مقاصد کے لیے **فی الحال لاہور میں** حسب ذیل کام ہو رہے ہیں :

۱ ۔ تدریس عربی انجمن کے دفتر واقع ۱۲ ۔ افغانی روڈ ، سمن آباد لاہور اور مسجد شہداء ، ریگل چوک ، شارع قائد اعظم میں عربی کی تدریس کے لیے شبینہ جماعتوں (Evening Classes) کا نظام قائم ہے ۔ دفتر انجمن میں پیر، منگل اور بدھ کو عصر اور مغرب کے مابین ابتدائی کلاس اور بعد از مغرب ثانوی کلاس اور مسجد شہداء میں جمعرات ، جمعہ اور ہفتہ کو بعد نماز مغرب ۔

۲ ۔ حلقہ ہائے درس قرآن مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کی تاسیس کے لیے اصل سنگِ بنیاد اس حلقے سے فراہم ہوا ہے جو انجمن کے صدر مؤسس ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے خطبات جمعہ اور اتوار کی صبح کے درس قرآنِ مجید کے اس سلسلے سے قائم ہوا ہے جو بحمداللہ جنوری ۶۸ء سے پابندی کے ساتھ جامع مسجد خضراء سمن‌آباد لاہور میں جاری ہے ۔

اس مرکزی حلقے کے گرد لاہور کی متعدد دوسری آبادیوں جیسے کرشن نگر، سنت نگر ، دل محمد روڈ ، سانده ، ڈھولنوال ، گڑھی شاہو اور ماڈل ٹاؤن یا تعلیمی اداروں مثلاً ایم اے او کالج ، نیو کیمپس ، انجینرنگ یونیورسٹی ہاسٹل اور میڈیکل کالج ہاسٹل میں ہفتہ وار ، پندرہ روزہ یا ماہانہ درس قرآن کے حلقے قائم رہے ۔ جنوری ۷۳ء سے ایک اہم ہفتہ وار درس مسجد شہداء میں جاری ہے ۔

اب جنوری ۷۴ء کے آغاز سے

درس قرآن کے اس نظام میں حسب ذیل اہم تبدیلیاں لائی جا رہی ہیں :

☆ جامع مسجد خضراء سمن‌آباد میں جمعہ کی نماز صرف خطبۂ مسنونہ کے ساتھ اول وقت ادا کی جائے گی یعنی اذان ثانی پورے سوا بجے ہو گی اور جماعت پونے ڈیڑھ بجے کھڑی ہو جائے گی ۔ اور نماز جمعہ کے بعد سے عصر تک درس قرآن کی نشست ہوگی جس میں قرآن حکیم کے مسلسل درس کا وہی سلسلہ جاری رہے گا جو پہلے اتوار کے درس میں چل رہا تھا اور جس میں اس وقت سورۂ یوسف زیر درس ہے ۔

★ مسجد دارالسلام باغ جناح میں اتوار کی شام کو عصر سے مغرب تک درس قرآن کی ایک اور ہفت روزہ نشست بھی منعقد ہوگی ، جس میں منتخب نصاب زیر درس رہے گا ۔

☆ مسجد شہداء ، ریگل چوک شارع قائد اعظم میں درس قرآن ہر اتوار کی صبح کو ہوگا ۔ جس میں اولاً مطالعہ قرآن حکیم کا وہ منتخب نصاب مکمل کیا جائے گا جو اس وقت زیر درس ہے اور اس کے بعد قرآن مجید کا ابتداء سے سلسلہ وار درس شروع کر دیا جائے گا ۔ اس اجتماع کا وقت فی الحال ۹ بجے صبح سے ساڑھے دس بجے صبح تک ہوگا اور اس سلسلے کا پہلا اجتماع انشاءاللہ اتوار ، ۶ ۔ جنوری کو منعقد ہوگا !

☆ دفتر انجمن واقع ۱۲ - افغانی روڈ ، سمن آباد لاہور میں ہر ہفتہ کی شام کو نماز مغرب کے متصلاً بعد ایک تنظیمی و تربیتی اجتماع منعقد ہوگا جس میں مطالعۂ قرآن حکیم کے بھی ایک نئے تربیتی نصاب کا درس ہوگا اور اجتماعی مطالعے کے بعض دوسرے پروگرام بھی رکھے جائیں گے -

☆ مسجد عکس جمیل ، مین مارکیٹ ، سمن آباد ، لاہور میں جمعہ اور ہفتہ کی صبح کو بعد نماز فجر مختصر درس قرآن کا موجودہ سلسلہ جاری رہے گا -

ان کے علاوہ آئندہ لاہور میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا کوئی اور مستقل درس نہیں ہوگا !

۳ - سلسلہ مطبوعات رجوع الی القرآن کی اس دعوت اور علم و حکمت قرآنی کی وسیع پیمانے پر نشر و اشاعت کے لیے جو ادارہ **"دارالاشاعت الاسلامیہ"** کے نام سے انجمن کے صدر مؤسس **ڈاکٹر اسرار احمد صاحب** نے قائم کیا تھا ، انجمن کی تاسیس کے بعد اس کا پورا سلسلہ بھی مکتبہ انجمن کو منتقل ہو گیا ہے اور مکتبۂ انجمن نے بھی ایک سال سے بھی کم مدت میں اس میں نہایت گراں قدر اضافہ کر لیا ہے -

اس سلسلۂ اشاعت میں ٹھوس علمی مطبوعات میں مجموعہ تفاسیر فراہیؒ اور مولانا امین احسن اصلاحی کی تفسیر تدبر قرآن کے علاوہ مولانا موصوف کی دوسری تمام تصانیف شامل ہیں - جب کہ عام دعوتی لٹریچر کے ضمن میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی تالیف **"مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق"** (اردو اور انگریزی) **" اسلام کی نشاۃ ثانیہ : کرنے کا اصل کام"** اور **"راہ نجات سورۂ والعصر کی روشنی میں"** قابل ذکر ہیں - انجمن کے ماہانہ مجلے **"میثاق"** کی اشاعت اس سال بہت بے قاعدہ رہی ہے - انشاء اللہ العزیز آئندہ سال سے اس پر پوری توجہ صرف کی جائے گی -

اس کے علاوہ **کراچی میں ایک ذیلی انجمن** بھی قائم ہو چکی ہے جو بحمد اللہ مرکزی انجمن سے بھی زیادہ فعال ہے - چنانچہ اسی ماہ کے آواخر میں اس کے زیر اہتمام ایک آٹھ روزہ قرآنی تربیت گاہ منعقد ہو رہی ہے - جس میں ڈاکٹر اسرار احمد قرآن حکیم کے چیدہ مقامات کا درس دیں گے - ' انجمن خدام القرآن کراچی' کا دفتر ۳/۳۳ - فرید چیمبرز ، وکٹوریہ روڈ ، صدر میں قائم ہے اور اس کا فون نمبر ۵۱۰۵۴۶ ہے !

شائع کردہ : شعبہ نشر و اشاعت

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

بموقع : قرآن کانفرنس ، ۱۴ تا ۱۶ دسمبر ۱۹۷۳ء

اسرار احمد — بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تذکرہ و تبصرہ

سال ۱۹۷۷ء کے دوران 'میثاق' کے زوال و انحطاط کا وہ عمل بلاشبہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا جو کم و بیش تین سالوں سے تدریجاً بڑھ رہا تھا۔ چنانچہ خود راقم الحروف نے بعض احباب سے نجی گفتگو میں اعتراف کیا کہ ۱۹۷۷ء 'میثاق' پر انتہائی 'مسکنت' کے عالم میں گزرا۔

'میثاق' کے پرانے قارئین کو یاد ہوگا کہ راقم الحروف اواخر اکتوبر ۱۹۷۰ء سے اواخر فروری ۱۹۷۱ء تک ملک سے باہر رہا تھا۔ رمضان ۱۳۹۰ھ راقم نے مدینہ منورہ میں بسر کیا تھا۔ بعد ازاں ایک ماہ لندن میں گزارا تھا اور پھر فروری ۱۹۷۱ء میں مشرف بہ حج ہو کر پاکستان واپسی ہوئی تھی۔ انہی ایام میں قیام مکہ معظمہ کے دوران ہی راقم نے زندگی کا اہم ترین فیصلہ کیا تھا —— یعنی یہ کہ میڈیکل پریکٹس یکسر ختم، اور کل وقت اور جملہ قوتیں اور صلاحیتیں وقف برائے خدمتِ کتاب الٰہی!

چنانچہ واپسی پر راقم نے اپنی پوری توجہ قرآن حکیم کے درس و تدریس اور تعلیم و تعلم پر مرکوز کر دی اور یہ انہماک کچھ اس درجہ شدید رہا کہ باقی سب چیزیں نسیاً منسیاً ہوتی چلی گئیں۔ لاہور میں حلقہ ہائے درس قرآن اس تیزی سے وسعت پذیر ہوئے اور خطاباتِ عام کی تعداد اتنی بڑھی کہ بعض بزرگوں نے متنبہ کیا کہ اس قدر ذہنی و جسمانی مشقت سخت خطرناک اور انگریزی کے ایک مقولے "BURNING THE CANDLE AT BOTH THE ENDS!" کے مصداق ہے۔ تاہم چونکہ راقم کو خوب معلوم ہے کہ کسی بھی نئے کام کے آغاز کے لئے ع "شرط اوّل قدم این است کہ مجنوں باشی!" لہٰذا دوستوں اور بزرگوں کی ان تنبیہات کے باوجود "خیریتِ جاں، راحتِ تن، صحتِ داماں" سب کو داؤں پر لگا کر راقم الحروف پوری تندہی کے ساتھ "تحریک تعلیم و تعلم قرآن" اور "دعوت رجوع الی القرآن" کے لئے زمین

ہموار کرنے کی کوشش (SPADE WORK) میں لگا رہا۔

اس کام کے لئے جس محنت اور مشقت کی توفیق بارگاہِ خداوندی سے ملی اس کا ایک ہلکا سا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ سال ۱۹۷۲ء کے دوران ایک طرف تو لاہور میں صورت یہ رہی کہ جامع مسجد خضراسمن آباد کے خطبہ جمعہ اور اتوار کی صبح کے مرکزی حلقہ درسِ قرآن کے علاوہ دو مقامات پر ہفتہ وار اجتماعات میں مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب بیان ہوتا رہا۔ یعنی ایک جامع مسجد ہرن روڈ کرشن نگر میں ہر جمعرات کو بعد نماز مغرب اور دوسرے مسجد اقبال کالونی گڑھی شاہو میں ہر جمعہ کو مغرب تا عشاء ــــ مزید برآں چھ حلقے لاہور میں ایسے قائم تھے جن کے اپنے ہفتہ وار اجتماعات ہوتے رہتے تھے لیکن راقم ان میں ہر ماہ صرف ایک بار شرکت کرتا تھا، اور ان سب پر مستزاد تھے وہ توسیعی اجتماعات جو گاہے بگاہے لاہور کی مختلف آبادیوں میں منعقد ہوتے رہتے تھے ــــ اور دوسری طرف ایک ماہانہ سفر کا سلسلہ تھا جو سردی گرمی کسی لحاظ کے بغیر پورے سال پابندی کے ساتھ جاری رہا جس میں ہر ماہ راقم کے کم و بیش دس دن صرف ہوتے تھے جن میں سے چار دن تو لازماً کراچی میں بسر ہوتے تھے اور باقی سفر اور آتے جاتے سکھر، رحیم یار خاں اور صادق آباد کے قیام کی نذر ہو جاتے تھے۔ خاص طور پر کراچی کا معاملہ اس اعتبار سے قابلِ ذکر ہے کہ اس سال کے ۳۶۶ دنوں میں سے راقم نے پورے پچاس دن کراچی میں بسر کئے۔ اور سال ۱۹۷۲ء کے پہلے دن کا سورج بھی راقم پر کراچی ہی میں طلوع ہوا اور اس کے آخری دن کے سورج کا غروب بھی راقم نے کراچی ہی میں دیکھا۔

اس سال کے دوران لاہور اور کراچی دونوں مقامات پر دس دس روزہ قرآنی تربیت گاہیں بھی منعقد ہوئیں۔ لاہور میں ماہ اگست کے دوران اور کراچی میں اواخر دسمبر میں۔ جن میں مطالعہ قرآن حکیم کا پورا منتخب نصاب تین اسباق روزانہ کے انتہائی بھرپور (INTENSIVE) پروگرام کے تحت پڑھا گیا۔ ان دونوں تربیت گاہوں کے دوران راقم الحروف نے اوسطاً چار تا پانچ گھنٹے روزانہ درسِ قرآن دیا۔ نتیجۃً گلا بیٹھ گیا اور آواز جواب دے گئی اور حد درجہ سریع الاثر اگرچہ اسی قدر مضر ادویات کا استعمال ناگزیر ہو گیا۔

اس جانفشانی کا یہ نتیجہ تو بفضلہٖ تعالیٰ ضرور نکل آیا کہ ایک طرف لاہور میں ۱۹۷۲ء کے اواخر ہی میں "مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور" کا قیام عمل میں آ گیا اور دوسری طرف کراچی میں "انجمن خدام القرآن کراچی" کے نام سے اس کی پہلی ذیلی انجمن بھی اوائل ۱۹۷۳ء ہی میں باقاعدہ قائم ہو گئی۔ تاہم جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، درس و تدریس اور خطبات و تقاریر کے اس ہنگامی سلسلے کے باعث بعض دوسرے

کام نظر انداز ہوتے چلے گئے اور بدقسمتی سے اس سلسلے کا قتیلِ اعظم 'میثاق' بن گیا۔

اس "عذرِ گناہ بدتر از گناہ" کی تحریر کے وقت 'میثاق' کے فائلوں کا جو جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ ۱۹۷۱ء میں اس سلسلۂ درس و تدریس کے عروج کے آغاز کے ساتھ ہی 'میثاق' کا زوال شروع ہو گیا تھا، چنانچہ ۱۹۷۱ء میں بھی ۱۹۷۳ء کی طرح جیسے تیسے کل چھ شمارے شائع ہو سکے تھے۔ درمیان میں ۱۹۷۲ء میں اگرچہ شماروں کی تعداد آٹھ رہی لیکن معیار رُو بہ انحطاط ہی رہا۔ تاآنکہ جیسا کہ آغاز میں عرض کیا گیا تھا ۱۹۷۳ء کے دوران میں تو شماروں کی تعداد اور مضامین و مشمولات کے معیار دونوں ہی اعتبارات سے 'میثاق' کی شدتِ مسکنت انتہا کو پہنچ گئی۔

یہ پوری داستان اس لئے سپردِ قلم کر دی گئی ہے کہ اگرچہ ۱۹۷۴ء کا آغاز بھی ایک اشاعت کے ناغے سے ہوا ہے تاہم ہمارا عزم مصمم ہے کہ ان شاء اللہ العزیز آئندہ 'میثاق' پر پوری توجہ صرف کی جائے گی۔ مضامین مشمولہ کے معیار کو بھی حتی المقدور بلند کیا جائے گا اور ان میں تنوع کی کوشش بھی کی جائے گی۔ چنانچہ پرانے مضمون نگار حضرات سے بھی از سرِ نو تعاون کے حصول کی سعی کی جائے گی اور دوسرے اہلِ قلم حضرات سے بھی رجوع کیا جائے گا —— اور کم از کم یہ کہ اس کی اشاعت ضرور باقاعدہ رکھی جائے گی۔ اس آخری مقصد کے لئے بحمد اللہ 'میثاق' کے دفتری نظام کو بھی بالکل از سرِ نو درست کر لیا گیا ہے۔ اور مزید برآں ایک صاحب کی خدمات بھی بطور معاونِ مدیر حاصل کر لی گئی ہیں تاکہ اگر خدانخواستہ کسی ماہ کسی وجہ سے راقم ذاتی طور پر زیادہ توجہ نہ دے سکے تو بھی اشاعت کا ناغہ بہرحال نہ ہو! —— غرض اپنی طرف سے تو ہم نے انتظام و اہتمام بھی پورا کر لیا ہے اور عزم بھی پورا کر لیا ہے۔ تاہم حقیقت وہی ہے جو شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اپنی وصایا میں فرمائی ہے "لَا فَاعِلَ فِی الْحَقِیْقَۃِ وَلَا مُؤَثِّرَ اِلَّا اللّٰہ!" لہٰذا ہوگا وہی جو اسے منظور ہوگا۔ السعی منّا و الاتمام من اللہ۔

اس موقع پر ہم 'میثاق' کے قدر دانوں سے بھی گزارش کریں گے کہ وہ از سرِ نو کمر ہمت کس لیں اور 'میثاق' کے خریداروں کے حلقے کی توسیع کی بھرپور کوشش کریں۔ بحالاتِ موجودہ ہم ایک روپے میں اڑتالیس صفحات سے زیادہ کی اشاعت نہیں پیش کر سکتے البتہ اگر حلقہ اشاعت بڑھ جائے تو صفحات میں بھی اضافہ ممکن ہوگا۔ ہم مکرر یقین دلاتے ہیں کہ ان شاء اللہ اب ہماری جانب سے کم از کم اشاعت کی پابندی اور باقاعدگی کے معاملے میں تقصیر نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہی ہمیں اس معاملے میں سرخرو کرنے والا ہے۔ نعلیہ التکلان!

(۲)

'مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور' کے قیام کی ضرورت کا احساس ۱۹۷۱ء کے اواخر ہی میں ہو گیا تھا لیکن اس سلسلے میں پہلا باضابطہ اجتماع ۱۷ مارچ ۱۹۷۲ء کو ہوا، جس میں راقم الحروف کے علاوہ سات حضرات جمع ہوئے جو اس کی ہیئت تنظیمی کے ایک ابتدائی خاکے پر متفق ہو گئے۔ جولائی ۱۹۷۲ء کے 'میثاق' میں وہ خاکہ بعض وضاحتوں سمیت شائع کر دیا گیا جس پر مزید ۱۳ حضرات نے بحیثیت مؤسسین شرکت کی خواہش ظاہر کی۔ چنانچہ نومبر ۱۹۷۲ء میں انجمن کی باقاعدہ رجسٹریشن کرا لی گئی اور دسمبر میں اس کا مرکزی دفتر ۱۷ افغانی روڈ سمن آباد پر قائم ہو گیا۔

اس طرح انجمن کے تحت کام کے باقاعدہ آغاز کو ابھی کل ایک ہی سال ہوا ہے۔ تاہم اس عرصے میں ایک 'میثاق' کے معاملے کو چھوڑ کر جس کے ضمن میں مفصل معذرت پیش کی جا چکی ہے باقی ہر اعتبار سے کام کی رفتار بفضلہٖ تعالیٰ نہایت اطمینان بخش ہے۔

چنانچہ ایک طرف تدریس عربی کا سلسلہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے باقاعدگی سے جاری ہے، اور اس وقت دو گروپ انجمن کے مرکزی دفتر میں اور ایک گروپ مسجد شہداء میں تحصیل عربی میں مصروف ہے اور اگرچہ ابتدا میں جتنی بڑی تعداد میں لوگوں نے ان گروپوں میں شرکت کی تھی بعد میں اتنی تعداد نہ رہی۔ تاہم اب بھی جو لوگ شرکت کر رہے ہیں وہ ایک پختہ عزم کے ساتھ اور پوری مستعدی سے کام میں مصروف ہیں۔

مکتبہ انجمن کی ایک سال کی کارکردگی تو یقیناً بہت ہی شاندار ہے۔ چنانچہ ایک سال سے بھی کم مدت میں نہ صرف یہ کہ تدبر قرآن کی جلد سوم شائع ہوئی بلکہ جلد اوّل بھی جس کا پہلا ایڈیشن ختم ہو گیا تھا، دوبارہ طبع ہو گئی، مزید برآں تفاسیر فراہی؟ اور حقیقت دین ایسی اہم کتابیں بھی جو عرصے سے نایاب تھیں، طبع ہو کر شائع ہو گئیں۔ دعوتی رسالوں میں سے ایک طرف "اسلام کی نشاۃ ثانیہ۔ کرنے کا اصل کام" کا تیسرا ایڈیشن اور "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" کا انگریزی ترجمہ شائع ہوا تو دوسری طرف "نجات کی راہ سورۃ والعصر کی روشنی میں" کے عنوان سے ایک نیا دعوتی رسالہ شائع ہوا، جس کی بحمد للہ بہت پذیرائی ہوئی۔ مزید برآں تدبر قرآن جلد اوّل کا ابتدائی حصہ مشتمل بر مقدمہ تدبر قرآن و تفاسیر آیت بسم اللہ و سورہ فاتحہ ایک رسالے کی صورت میں بڑی تعداد میں شائع کیا گیا تاکہ قرآن حکیم پر غور و فکر کے اس اسلوب اور انداز سے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو روشناس کرایا جا سکے۔ الغرض ایک سال کی مختصر سی مدت میں خصوصاً کاغذ کی اس گرانی بلکہ نایابی کے دور میں مکتبہ انجمن کی یہ کارکردگی نہایت حوصلہ افزا ہے۔

ان سب پہ مستزاد ہے وسط دسمبر ۱۹۷۳ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام "پہلی سالانہ قرآن کانفرنس" کا انعقاد جو بہت سے لوگوں کے لئے ایک نہایت خوش آئند تحیر PLEASANT-SURPRISE کا موجب بنا اور جس نے انجمن کا تعارف نہ صرف لاہور کے کونے کونے بلکہ ملک کے دور دراز گوشوں تک پہنچا دیا!

'میثاق' بابت نومبر دسمبر ۱۹۷۳ء میں راقم نے اس کانفرنس کے انعقاد سے قبل اپنی اس امید کا اظہار کیا تھا کہ :

"یہ کانفرنس انشاء اللہ اس دعوت رجوع الی القرآن کا ایک اہم سنگ میل ثابت ہوگی جس کا بیڑا انجمن خدام القرآن نے اٹھایا ہے اور پھر خدا نے چاہا تو سالانہ قرآن کانفرنسوں کا یہ سلسلہ نہ صرف یہ کہ لاہور کی سماجی و ثقافتی زندگی کا ایک مستقل نشان بن جائے گا بلکہ انشاء اللہ العزیز ملک بھر کی جملہ دینی سرگرمیوں کے ایک جامع عنوان کی حیثیت اختیار کرے گا۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز"

تو جن حضرات کو اس کانفرنس میں شرکت کا موقع ملا وہ گواہی دیں گے کہ بحمد اللہ یہ کانفرنس راقم کی توقعات سے بھی کہیں بڑھ کر کامیاب ہوئی! اور اسے حاضرین کی تعداد، شرکا کے ذوق و شوق، اجتماعات کے نظم و ضبط اور مقالوں اور تقریروں کے معیار کے علاوہ حاضرین کے جوش و خروش، کارکنوں کی مستعدی اور حسن انتظام یہاں تک کہ اجتماع گاہ کی تزئین و آرائش غرض ہر اعتبار سے معیاری ہی نہیں، مثالی قرار دیا جا سکتا ہے۔

کانفرنس کے لئے ٹاؤن ہال لاہور بہت پہلے سے مخصوص کرا لیا گیا تھا، لیکن بدقسمتی سے عین وقت پر اسمبلی ہال کے عالمی اسلامی کانفرنس کے لئے مخصوص ہو جانے کے باعث صوبائی اسمبلی کا اجلاس ٹاؤن ہال میں منعقد ہونا طے پا گیا اور نزلہ چونکہ عضو ضعیف ہی پر گرتا ہے لہذا ہمیں پہلے ہی دن حکم دے دیا گیا کہ ہال فارغ کر دیں۔ وہ تو خدا بھلا کرے بعض احباب کا، اور اللہ جزائے خیر دے بعض ذمہ داران حکومت کو جن کی کوششوں سے یہ بلا کم از کم نصف ٹل گئی۔ یعنی دوسرے روز بھی کانفرنس کے دونوں اجلاس ہال ہی میں منعقد ہوتے البتہ آخری اجلاس مسجد شہدا میں منعقد کرنا پڑا۔

اس ہال میں مقررین حضرات کی مخصوص نشستوں اور پریس گیلری کے علاوہ دو صد کے لگ بھگ نہایت عمدہ اور آرام دہ نشستوں کا مستقل اہتمام ہے۔ ان کے علاوہ خالی جگہ پر اتنی ہی کرسیاں اور رکھ دی گئیں۔ اس طرح ہال کے اندر چار صد سامعین کی گنجائش مستقلاً پیدا ہو گئی۔ بعض احباب کا خیال تھا کہ اتنی نشستیں بمشکل ہی پُر ہوں گی لیکن بعد میں یہ بھی بہت کم ثابت ہوئیں۔ اکثر اجتماعات

میں ہال کے دونوں طرف کی گیلریوں میں بھی سامعین کثیر میں موجود رہے اور کانفرنس کے دوسرے اجلاس میں تو لگ بھگ دو تین صد حضرات کو کہیں بھی جگہ نہ ملنے کے باعث مایوس لوٹنا پڑا۔

ذوق و شوق کا یہ عالم رہا کہ تین تین گھنٹوں کی مسلسل نشستوں میں شاذ ہی کوئی شخص اٹھتا چلتا دیکھا گیا اور اجلاس کے خاتمے کے اعلان سے قبل کسی کا اُٹھ کر جانا تو تقریباً خارج از بحث ہی رہا۔ نظم و ضبط کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ "قرآن اور منطق استقرائی" ایسے ثقیل موضوعات پر خالص علمی مقالات کو بھی نہایت صبر اور حد درجہ توجہ کے ساتھ سُنا گیا۔

اس ہنگامہ پسند دور میں خالص قرآن حکیم کے موضوع پر کانفرنس کا انعقاد ویسے بھی لوگوں کے لئے نہایت حیران کن تھا۔ اس پر مزید مسرت آمیز تحیر کا اضافہ ذوق و شوق اور نظم و ضبط کے اس مظاہرے سے ہؤا۔ اور ان سب سے بڑھ کر حیرت افزا بات لوگوں کو یہ محسوس ہوئی کہ اختلاف اور افتراق و انتشار کے اس زمانے میں اس کانفرنس میں تقریباً تمام فرقوں اور مسلکوں کے اہل علم و فضل حضرات نے شرکت کی اور تقریریں کیں یا مقالے پڑھے۔ چنانچہ بہت سے لوگوں نے تو کانفرنس کے دوران ہی راقم کو حقیقی خلوص اور واقعی دلی مسرت کے ساتھ مبارکباد پیش کی اور بہت سے حضرات نے بعد میں خطوط میں حیرت و مسرت کے ملے جُلے جذبات کا اظہار فرمایا۔ ہم ان سب حضرات کے تہ دل سے ممنون ہیں اور کانفرنس کی اس کامیابی کو سراسر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور رفقاء و احباب کی پُرخلوص دعاؤں کا نتیجہ سمجھتے ہیں ورنہ راقم نے تو اپنی اور اپنے رفقاء کار کی خامیوں کے پیش نظر پیشگی معذرت میثاق بابت نومبر دسمبر ۱۹۷۳ء میں پیش کر دی تھی کہ :-

> "چونکہ راقم الحروف بھی ایک طویل عرصے سے تقریباً گوشہ گیری کی کیفیت کے ساتھ ایک خاموش تعمیری خدمت میں مصروف رہا ہے اور اس دوران میں اس کا جلسوں اور کانفرنسوں یا اس نوع کی دوسری سرگرمیوں سے کوئی تعلق نہیں رہا اور اس کے رفقا کار بھی تمام کے تمام ہی نوآموز اور خاصتہً " تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل" ہیں لہٰذا اس کانفرنس کے اہتمام میں بہت سی خامیاں اور انتظام و انصرام میں بہت سی کوتاہیاں لازماً رہ جائیں گی جن کے لئے راقم اور اس کے رفقائے کار پیشگی معذرت خواہ ہیں !"

یہ دوسری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف یہ کہ راقم کی لاج رکھ لی بلکہ اپنی کتابِ عزیز کی اس حقیر سی خدمت کو شرفِ قبول بخشتے ہوئے اپنے کلام پاک کے ادنیٰ خادموں کو بھی سرخروئی عطا فرما دی۔ فللہ الحمد والمنة !!

کانفرنس کا پہلا اجلاس جمعہ ۱۷ دسمبر کو صبح کے ۹ بجے سے دوپہر کے بارہ بجے تک جاری رہا۔ اس کا موضوع "عظمتِ قرآن" تھا۔ اور اس کی صدارت مولانا عبیداللہ انور مدظلہٗ جانشین و خلف الرشید شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے کی۔ اجلاس کے دوران ہی حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحب بھی کراچی سے تشریف لے آئے۔ راقم نے ان کا شایان شان استقبال کرتے ہوئے انہیں بھی صدر مجلس کے برابر ہی بٹھایا اور حاضرین سے تعارف کراتے ہوئے عرض کیا کہ اگرچہ مولانا اصلاً ہماری رات والی نشست کے صدر ہوں گے تاہم اس وقت بھی یہ "اجتماع صدرین" یقیناً "قران السعدین" کے حکم میں ہے۔

حسنِ اتفاق سے اس اجلاس میں پہلی تقریر لاہور کے دوسرے قطب الارشاد حضرت مولانا مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ کے خلف الرشید صاحبزادہ عبدالرحمان صاحب نے کی اور یہ گویا اس مبارک مجلس کا دوسرا "قران السعدین" تھا ان کے علاوہ مولانا محمد اجمل خطیب قلعہ گوجر سنگھ نے بھی خطاب فرمایا اور مرزا محمد منور اور جناب مشکور حسین یاد اساتذہ گورنمنٹ کالج لاہور، مولانا الٰہی بخش جاء اللہ استاذ جامعہ اسلامیہ بہاول پور اور ڈاکٹر برہان احمد صاحب فاروقی نے مقالات پڑھے۔ حافظ احمد یار صاحب استاذ شعبہ اسلامیات پنجاب یونیورسٹی کا مقالہ بھی اسی نشست سے متعلق تھا لیکن وہ وقت کی کمی کے باعث شام کے اجلاس میں پڑھا جاسکا۔ اس اجلاس کی ایک تقریر تو ایسی تھی جسے شرکاء مجلس شاید ہی بھلا سکیں۔ جناب متین ہاشمی صاحب نے سقوطِ مشرقی پاکستان کے ذکر سے تمام حاضرین کو اشکبار کر دیا تھا اور بعض حضرات کی تو چیخیں تک نکل گئیں۔ یہ اجلاس ٹاؤن ہال میں تو سوا بارہ بجے دوپہر مولانا مولانا عبیداللہ انور مدظلہٗ کی دعا پر ختم ہوگیا۔ لیکن اس کا معنوی تسلسل فوراً ہی جامع مسجد خضرا سمن آباد میں جاری ہوگیا جہاں مولانا محمد یوسف بنوری مدظلہٗ نے نماز جمعہ سے قبل "عظمت قرآن" ہی کے موضوع پر خطاب فرمایا۔

کانفرنس کا دوسرا اجلاس اسی روز شام کو نماز مغرب کے فوراً بعد شروع ہوا اور رات دیر گئے تک جاری رہا۔ اس کی صدارت مولانا بنوری مدظلہٗ نے فرمائی اور اس سے مفتی محمد حسین صاحب نعیمی مہتمم و صدر مدرس جامعہ نعیمیہ لاہور، ملک محمد اسلم استاذ و سابق صدر شعبہ اسلامیات پنجاب یونیورسٹی، مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ بہاول پور اور جناب ریاض احمد صاحب فریدی نے خطاب کیا۔ آخر میں مولانا بنوری صاحب نے صدارتی تقریر فرمائی جو اس اجلاس کے موضوع یعنی قرآن اور سنت رسول علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے باہمی ربط و تعلق کے مسئلے پر یقیناً حرفِ آخر

کا درجہ رکھتی ہے۔ راقم کے لئے مولانا کی اس روز کی کیفیتِ جذب، آمدِ مضمون اور روانیٔ تقریر حد درجہ حیرت ناک تھی اور یہ کہنا مشکل تھا کہ مولانا کی اس تقریر کا اصل مصدر و منبع دماغ تھا یا دل! چنانچہ راقم نے آخر میں عرض کر ہی دیا کہ مولانا کی اس تقریر کو سننے کے بعد آج مجھ پہ علامہ اقبال مرحوم کے اس شعر کی حقانیت پہلے سے کہیں زیادہ منکشف ہوگئی ہے کہ ؎

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست!
اگر بہ اُو نہ رسیدی تمام بولہبی است!!

یہ پہلے ہی عرض کیا جا چکا ہے کہ کانفرنس کے اس اجلاس میں حاضری سب سے زیادہ رہی اور بہت سے حضرات کو کہیں بھی جگہ نہ ملنے کے باعث مایوس ہی لوٹ جانا پڑا۔ اس اجلاس کا ایک قابلِ ذکر واقعہ یہ بھی ہے کہ اس میں مولانا امین احسن اصلاحی مدظلہٗ نے بھی اپنی تمام تر علالت و نقاہت اور مزید برآں ثقالتِ سماعت کے باوصف از اوّل تا آخر شرکت فرمائی۔

کانفرنس کا تیسرا اجلاس ہفتہ ۱۵ دسمبر کو حسبِ سابق صبح نو بجے سے دوپہر کے ڈیڑھ بجے تک جاری رہا۔ اس کا عنوان تھا "قرآن حکیم اور علامہ اقبال"۔ اجلاس کے صدر پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب کی تاخیر سے آمد کے باعث ان کے آنے تک صدارت انجمن کے ایک بزرگ رکن حاجی عبدالواحد صاحب نے فرمائی۔

اس اجلاس میں سب سے پہلے ایک مقالہ سیّد نذیر نیازی صاحب نے پڑھا۔ بعد ازاں "قرآن کے دو نکتہ رس: اقبال اور رفیع الدین" کے عنوان سے چودھری مظفر حسین صاحب ڈائرکٹر آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگرس کی ایک تحریر راقم نے مزید وضاحتوں کے ساتھ پڑھ کر سنائی۔ (یہ دونوں مقالے اسی اشاعت میں شائع کئے جا رہے ہیں) ایک مقالہ علامہ مرحوم کے فلسفۂ خودی کے موضوع پر راقم کے برادرِ خورد عزیزم ڈاکٹر ابصار احمد سلمہٗ نے پڑھا جو حال ہی میں لندن سے مسئلہ خودی ہی پر مقالہ[ل] لکھ کر پی ایچ ڈی حاصل کر کے لوٹے ہیں۔ بعد ازاں ایک مختصر سی تقریر راقم نے کی، پھر ایک مفصّل تقریر مرزا محمد منورؔ صاحب نے فرمائی اور آخر میں پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے اپنا مقالہ پیش فرمایا جو توضیحات مزیدہ کی طوالت اور طنز و مزاح اور لطائف و ظرائف کی قندِ مزید کی کثرت کے باعث مکمل نہ ہو سکا۔

[ل] عزیزم ڈاکٹر ابصار احمد سلمہٗ کے مقالے (THESIS) کا پورا عنوان ہے:-
"THE PROBLEM OF 'SELF' IN CONTEMPORARY PHILOSOPHY"

ٹاؤن ہال میں کانفرنس کا آخری اجلاس ہفتہ کی شام کو "قرآن اور علم جدید" کے موضوع پر علامہ علاء الدین صاحب صدیقی سابق وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ جس میں سب سے پہلے ایک مقالہ مولانا حنیف ندوی صاحب رفیق ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور نے "قرآن اور منطق استقرائی" کے موضوع پر پڑھا۔ دوسرا مقالہ ڈاکٹر امان اللہ استاذ شعبہ اسلامیات پنجاب یونیورسٹی نے "قرآن اور سائنسی طریق کار" کے موضوع پر پڑھا۔ تیسرا مقالہ ڈاکٹر عبدالبصیر پال سابق صدر شعبہ طبعیات پنجاب یونیورسٹی نے "قرآن اور سائنس" کے موضوع پر پیش فرمایا اور آخر میں ایک مفصل اور دلچسپ تقریر ڈاکٹر محمد عالمگیر خاں صاحب پروفیسر آف میڈیسین کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور نے "اسلام اور طب جدید" کے موضوع پر کی جس میں پروجیکٹر کی مدد سے توضیحی تصاویر کی سلائیڈیں (SLIDES) بھی دکھائیں۔ افسوس ہے کہ وقت کی کمی کے باعث نہ ڈاکٹر ابوبکر صاحب صدر شعبہ حیاتیات جامعہ پنجاب ڈاروِن کے نظریہ ارتقا پر اپنا مقالہ پیش فرما سکے اور نہ ہی صدر مجلس صدارتی خطبہ ارشاد فرما سکے!

چنانچہ اعلان کرنا پڑا کہ پروفیسر یوسف سلیم چشتی کا مقالہ "اقبال بحیثیت ترجمان القرآن" ڈاکٹر ابوبکر صاحب کا مقالہ مذکورہ اور علامہ علاء الدین صاحب کی تقریر کا قرض واجب الادا رہے گا! اور انجمن کوشش کرے گی کہ جلد ہی اس قرض کی ادائیگی کی صورت پیدا کرے۔

کانفرنس کا آخری اجلاس اتوار ۱۶ دسمبر کی صبح کو، جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے، ٹاؤن ہال کے بجائے مسجد شہداء میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس کی رونق میں ایک کمی تو اس نقل مکانی سے پیدا ہونی ہی تھی اس پر مستزاد یہ کہ رات ہی سے جو طوفان باد و باراں شروع ہوا تو دن کے گیارہ بجے تک جاری رہا۔ دسمبر کا مہینہ، کڑاکے کی سردی، اس پر بارش کا زور اور ہوا کے تھپیڑے، سڑکوں پر پانی اور کیچڑ، بجلی بند اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ٹریفک کا پورا نظام معطل۔ الغرض تمام عوامل مخالف مجتمع ہو کر ٹوٹ پڑے ـــــ بایں ہمہ اجلاس ہوا اور بہت کامیاب ہوا۔ آغاز میں تو حاضری اگرچہ پچاس ساٹھ نفوس ہی پر مشتمل تھی لیکن رفتہ رفتہ شرکاء مجلس کی تعداد ڈھائی صد سے متجاوز ہو گئی۔

اس اجلاس کی صدارت مولانا امین احسن اصلاحی مدظلہ نے فرمائی، اور اس کے موضوع اوّل یعنی "تدبر قرآن اور مولانا حمید الدین فراہیؒ" سے متعلق تو پروگرام کے مطابق تمام مقالات بھی پیش ہو گئے۔ جن میں سب سے پہلا چودھری محمد نصیب صاحب نے مولانا فراہیؒ کے حالات زندگی سے متعلق پیش کیا۔ دوسرا مولانا مرحوم کی علمی خدمات کے موضوع پر جناب خالد مسعود نے پیش کیا، اور

تیسرا مولانا کے اصولِ تفسیر سے متعلق جناب محمود احمد لودھی نے پیش کیا جو طوالت کے باعث پورا نہ پڑھا جا سکا ـــــ البتہ موضوع ثانی یعنی " اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور قرآن حکیم" کے ضمن میں صرف ایک ہی تقریر حکیم عبدالرحیم صاحب اشرف (مدیر "المنبر" لائل پور) کی ہو سکی اور انہوں نے بھی موضوع کا مثبت حق ادا کرنے کی بجائے غالباً وقت کی کمی کے باعث صرف بعض مفید تنبیہات پر اکتفا فرمائی اور اس طرح کانفرنس کے موضوعات میں سے ایک موضوع کا ملتہً قرض رہ گیا۔ تاہم اس کی کسی قدر تلافی مولانا امین احسن اصلاحی مدظلہ کے صدارتی و اختتامی خطاب سے ہوگئی جس میں مولانا نے نہایت جوش و خروش کے ساتھ اور حد درجہ کیفیت و وجد کے عالم میں تحریک احیائے دین کے ضمن میں دعوت تعلیم و تعلّم قرآن کی اہمیت کو واضح کیا اور انجمن خدام القرآن کے مقاصد کو سراہتے ہوئے حاضرین کو اس کے لئے تن من دھن کے ساتھ برسرِ کار ہونے کی ترغیب دلائی اور اس طرح مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی اس پہلی سالانہ قرآن کانفرنس کے کھلے اجلاس اختتام کو پہنچے!

اس قرآن کانفرنس کے انعقاد کا خیال دراصل اس طرح پیدا ہوا تھا کہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے پہلے اجلاس عام منعقدہ ۲۹ر اپریل ۱۹۷۳ء میں طے کیا گیا تھا کہ انجمن کی مجلس منتظمہ کا جو انتخاب اس موقع پر ہوا ہے وہ صرف سال رواں کے آخر تک کے لئے ہوگا اور دسمبر ۱۹۷۳ء میں ایک اور اجلاس عام ہوگا جس میں وہ انتخاب عمل میں لایا جائے گا جو انجمن کے قواعد و ضوابط کی دفعہ ۳ شق (ک) کے مطابق دو سال کے لئے ہوگا۔ چنانچہ جب ماہ دسمبر قریب آیا تو خیال پیدا ہوا کہ اس اجلاس عام کے موقع پر کیوں نہ ایک قرآن کانفرنس بھی منعقد کر لی جائے جس سے انجمن کے اغراض و مقاصد کا تعارف ایک وسیع تر حلقے میں ہو جائے!

انجمن کا یہ دوسرا اجلاس عام اتوار ۱۶ر دسمبر کی شام کو عصر اور مغرب کے مابین منعقد ہوا جس میں انجمن کے ہر چہار انواع کے وابستگان نے اچھی خاصی تعداد میں شرکت فرمائی۔ اس موقع پر باہمی تعارف اور مبادلۂ خیال کے علاوہ انجمن کی نئی مجلس منتظمہ کا تقرر عمل میں آیا جو حسب ذیل حضرات پر مشتمل ہے:۔

(الف) حلقۂ مؤسسین میں سے: ۱۔ میاں محمد رشید ۲۔ میاں مقصود احمد ۳۔ چودھری نصیر احمد ورک اور ۴۔ جناب قمر سعید قریشی۔

(ب) حلقۂ محسنین میں سے: ۱۔ کرنل نور احمد ۲۔ ملک اسلم حیات۔

(ج) مستقل ارکان میں سے : ۱۔ ڈاکٹر علی اصغر ۲۔ ڈاکٹر نسیم الدین خواجہ
(د) عام ارکان میں سے : ۱۔ حاجی محمد یوسف، ۲۔ چودھری انوار الحق، ۳۔ ڈاکٹر ارشد اللہ
اور ۴۔ مختار حسین فاروقی۔

بعد نماز مغرب میاں محمد رشید صاحب کی جانب سے دعوتِ طعام کا اہتمام تھا۔ چنانچہ جملہ شرکائے اجلاس نے ماحضر تناول فرمایا اور بعد ازاں وہ ایک نیا جوش اور ولولہ کار لئے رخصت ہو گئے!

مندکرہ بالا قرآن کانفرنس نے، جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، اُس تحریک تعلیم و تعلّم قرآن اور دعوتِ رجوع الی القرآن کا تعارف کم از کم لاہور میں بہت وسیع پیمانے پر کرا دیا۔ جس کا بیڑا انجمن نے اٹھایا ہے۔ لہذا ضرورت محسوس ہوئی کہ اتوار کی صبح کو منعقد ہونے والے مرکزی اجتماع درسِ قرآن کو اب لاہور کے ایک گوشے سے قلبِ شہر کو منتقل کر دیا جائے۔ چنانچہ حلقہ ہائے درسِ قرآن کے پورے نظام الاوقات کو تبدیل کر دینا پڑا اور جنوری ۱۹۷۴ء کے آغاز سے حسب ذیل پروگرام پر عمل شروع ہو گیا۔

۱ : اتوار کی صبح کا مرکزی اجتماع اب ریگل چوک، مال روڈ پر واقع مسجد شہداء میں نو بجے سے ساڑھے دس بجے تک منعقد ہوتا ہے اس میں فی الحال مطالعہ قرآن حکیم کے اس منتخب نصاب کے آخری حصے زیر درس ہیں جس کا آغاز اس مسجد میں جنوری ۱۹۷۳ء میں ہوا تھا۔ اس نصاب کے ختم ہونے پر قرآن مجید کا ابتدا سے سلسلہ وار درس شروع کر دیا جائے گا۔

۲ : مسجد خضراء سمن آباد میں درس قرآن کی نشست اب جمعہ کے دن بعد نماز جمعہ ہوتی ہے۔ یہاں جمعہ کے نظام میں یہ تبدیلی کی گئی ہے کہ نماز جمعہ سے قبل کوئی تقریر نہیں ہوتی بلکہ جمعہ صرف خطبۂ مسنونہ کے ساتھ اوّل وقت ادا کر لیا جاتا ہے۔ صرف اس اضافے کے ساتھ کہ خطبہ میں جو آیات قرآنی یا حدیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام بیان ہوتی ہیں۔ ان کا صرف ترجمہ بھی سنا دیا جاتا ہے۔ جمعہ کے بعد درس قرآن کی نشست ہوتی ہے جو عصر کے وقت تک جاری رہتی ہے ——
واضح رہے کہ جمعہ کا یہ نظام ہندوستان کے بہت سے شہروں میں تو قدیم زمانے سے رائج تھا ہی خود لاہور میں بھی حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسجد میں اس نظام کو رائج کرنے کی کوشش کی تھی لیکن بوجوہ کامیاب نہ ہو سکے تھے! اب خدا کے فضل سے حضرتؒ کی یہ خواہش اس مسجد میں پوری ہو رہی ہے جس کا سنگ بنیاد انہی کے بابرکت ہاتھوں کا رکھا ہوا ہے۔

اس اجتماع میں درس قرآن کا وہی سلسلہ جاری ہے جو اس سے قبل یہاں اتوار کی صبح کے اجتماع میں چل رہا تھا یعنی قرآن حکیم کا درسِ مسلسل ——— جس میں اس وقت سورۂ یوسف قریب الاختتام ہے۔

۳: ہفتہ کی شام کو نماز مغرب کے فوراً بعد ایک اجتماع کارکنان دفتر انجمن میں منعقد ہوتا ہے جس کا آغاز تو راقم کے درسِ قرآن ہی سے ہوتا ہے جس میں آخری پارے کی چھوٹی سورتیں سلسلہ وار زیر درس ہیں۔ لیکن اس کا اصل مقصد کارکنوں کی ذہنی و فکری تربیت کے علاوہ یہ ہے کہ ان کا باہمی تعارف اور میل جول بڑھے۔ باہمی مذاکرہ اور مبادلۂ خیال ہو، تجاویز اور مشورے زیر بحث آئیں اور تحریر و تقریر کی صلاحیتیں اجاگر ہوں چنانچہ یہ اجتماع لگ بھگ چار گھنٹوں پر پھیلا ہوتا ہے۔ اس کے بعد زیادہ قریبی احباب دفتر انجمن ہی میں شب باشی فرماتے ہیں۔ اور پچھلے پہر[1] کے قیام اور "قرآن الفجر"[2] کا خصوصی اہتمام کیا جا رہا ہے تاکہ ذہنی و فکری تربیت کے ساتھ ساتھ کسی قدر عملی تربیت بھی کارکنان انجمن کو بہم پہنچے ——— واضح رہے کہ راقم کے نزدیک خصوصاً متذکرہ بالا قرآن کانفرنس کے بعد اب یہ تحریک تعلیم و تعلم قرآن اور دعوت رجوع الی القرآن جس مرحلے میں داخل ہو رہی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ مزید توسیع سے قبل استحکام کی فکر کی جائے۔ لہٰذا اب جملہ اجتماعات میں اہمیت کے اعتبار سے مقدم ترین اجتماع یہی ہفتہ کی شام کا اجتماع کارکنان ہو گا۔

۴: متذکرہ بالا تین اہم اور بنیادی اجتماعات کے علاوہ ہیں درس قرآن کے دو اضافی سلسلے جو جامع مسجد دارالسلام، باغ جناح اور جامع مسجد عکس جمیل ہین مارکیٹ سمن آباد میں جاری ہیں اور جن میں مطالعۂ قرآن حکیم کا منتخب نصاب آغاز سے سلسلہ وار زیر درس ہے۔ مسجد دارالسلام میں درس ہر اتوار کی شام کو مابین عصر و مغرب ہوتا ہے اور مسجد عکس جمیل میں جمعہ اور ہفتہ کی صبح کو بعد نماز فجر اور دونوں مقامات پر منتخب نصاب کے بالکل ابتدائی حصے زیر درس ہیں۔ یہ سلسلہ فی الحال تو چل رہا ہے۔ لیکن اب یہ بات شدت کے ساتھ محسوس ہو رہی ہے کہ اسی دعوت اور تحریک کے ایک دوسرے شدید تر تقاضے کے تحت راقم کو "بولنے" کا کام کم کرنا ہو گا اور لکھنے پر زیادہ توجہ صرف کرنی ہو گی لہٰذا درس قرآن کے یہ اضافی سلسلے چاہیے

---

[1] یہ کون پچھلے پہر رات کو ہے محو سجود — دعا کو ڈھونڈ رہی ہیں اٹھی سے تاثیریں (ماہر)
[2] اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا (سورہ بنی اسرائیل)

بادل نخواستہ ہی سہی، بہرحال غالباً جلد ہی بند کر دینے پڑیں گے۔

(۳)

کراچی میں راقم الحروف نے ۳۱ دسمبر ۱۹۷۲ء کو دس روزہ تربیت گاہ کے خاتمے پر اختتامی خطاب میں واضح کر دیا تھا کہ اب تک میرا کراچی آنا بعض بزرگوں اور دوستوں کی تحریک پر ہوا تھا لیکن اب ایک سال کے اس ابتدائی کام کے بعد آگے یہ سلسلہ صرف اس صورت میں چل سکتا ہے کہ یہاں کے احباب کسی ہیئت تنظیمی میں منسلک ہوں اور ایک باقاعدہ اجتماعی صورت اختیار کریں۔

اس 'تنبیہہ' کا نہایت خوشگوار نتیجہ یہ نکلا کہ مارچ ۱۹۷۳ء ہی میں وہاں انجمن خدام القرآن کراچی کے نام سے ایک ذیلی انجمن کا قیام عمل میں آگیا اور اگرچہ وہاں کسی مرکزی شخصیت کے نہ ہونے کے باعث ابھی کسی باقاعدہ اور منظم کام کی صورت نہیں بن سکی ہے تاہم انجمن کراچی کا گزشتہ کا کام یقیناً بہت امید افزا ہے۔

سب سے اہم کام جو انجمن کراچی کے ذریعے ہو رہا ہے انجمن کی مطبوعات کا نکاس ہے جس کے لئے وہاں بعض بڑی ہی عمدہ تدابیر اختیار کی گئی ہیں نتیجۃً انجمن کے دعوتی رسائل بھی وہاں بہت وسیع حلقے میں پھیلے ہیں اور ضخیم مطبوعات کی فروخت بھی فی الوقت سب سے زیادہ وہیں ہو رہی ہے۔

بعض مستعد رفقاء کی کوشش سے کراچی کے موقر انگریزی روزنامے (DAWN) کی اشاعت جمعہ میں "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" کا انگریزی ترجمہ سلسلہ وار شائع ہوا اور اس طرح ایک بڑے وسیع حلقے تک انجمن کی دعوت پہنچ گئی۔

راقم کے ٹیپ شدہ درس بھی مختلف محلوں میں ایک باقاعدہ پروگرام کے تحت سنائے جاتے رہے اگرچہ رمضان المبارک کے بعد سے یہ سلسلہ کچھ مضمحل سا ہو گیا۔

خود راقم نے ۱۹۷۳ء کے دوران میں کراچی کے چھ سفر کئے۔ ہر مرتبہ کم از کم تین اور زیادہ سے زیادہ چار دن قیام رہا، سوائے آخری بار کے جب ہفت روزہ "قرآنی تربیت گاہ" اور بعض دوسرے پروگراموں کے باعث پورے دس دن قیام کرنا پڑا۔

ہر بار درس قرآن اور خطاباتِ عام کا جو ہنگامی پروگرام معمولاً جاری رہا اس کا اندازہ جولائی ۱۹۷۳ء کے دورے کی اس رپورٹ سے ہو سکتا ہے جو 'میثاق' میں اشاعت ہی کی غرض سے محترم شیخ جمیل الرحمٰن صاحب معاونِ معتمد، انجمن خدام القرآن کراچی نے ارسال کی تھی لیکن 'میثاق' کی بدانتظامی کے باعث شائع نہ ہو سکی۔ بہرحال اب یہ "مشتے نمونہ از خروارے" کے طور پر ہدیہ ناظرین ہے!

انجمن خدام القرآن کراچی کی دعوت پر ۲۷ر جولائی بروز جمعہ جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کراچی تشریف لائے۔ جمعہ کا خطاب مدینہ مسجد آرٹلری میدان ایم اے جناح روڈ کراچی میں ہوا۔ اس خطاب میں موصوف نے سورۃ والشمس کے مضامین و مطالب بیان فرمائے۔ شرکاء کی تعداد کا محتاط اندازہ پانچ چھ سو کے درمیان تھا۔ جمعہ کی شب کو ڈاکٹر صاحب نے بعد نماز عشا کراچی کی ایک مشہور بستی دہلی کالونی گذری روڈ میں خطاب فرمایا۔ اس بستی میں ڈاکٹر صاحب موصوف پہلی مرتبہ تشریف لے گئے تھے لیکن اہالیان بستی کے لئے غیر معروف نہیں تھے کیونکہ اس بستی کی مختلف مساجد میں گاہے گاہے ڈاکٹر صاحب کے درس قرآن کے ٹیپ سنائے جاتے رہتے ہیں۔ اسی وجہ سے بستی کے لوگوں کا اصرار تھا کہ ڈاکٹر صاحب کا ایک درس اس بستی میں بھی رکھا جائے۔ درس میں محتاط اندازہ کے مطابق دو سو کے لگ بھگ افراد شریک ہوئے۔ خواتین کی نشست کا بھی انتظام تھا جس میں تقریباً بیس خواتین شریک ہوئیں۔ اس مقام پر ڈاکٹر صاحب نے سورہ تحریم کی دو آیات یا ایھا الذین اٰمنوا قوا انفسکم و اھلیکم نارًا ... الخ کے مطالب و مفاہیم نہایت سادہ اور عام فہم زبان میں بیان فرمائے۔ یہ خطاب تاثیر کے لحاظ سے ڈاکٹر صاحب کے خطابات میں ایک خصوصی اہمیت کا حامل تھا۔ شرکاء انتہائی ذوق و شوق کے ساتھ آخر وقت تک شریک رہے۔ درس کے بعد منتظمین مسجد نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اس مسجد میں بھی ہر ہفتہ ڈاکٹر صاحب کے درس قرآن کریم کے ٹیپ سنانے کا انتظام کیا جائے۔

۲۸ر جولائی ہفتہ کی شام کو ڈاکٹر صاحب موصوف نے کراچی ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن کی جانب سے منعقد شدہ جلسہ سیرت النبیؐ سے خطاب فرمایا۔ یہ اجتماع بار روم میں منعقد ہوا تھا اور اس میں تقریباً ڈیڑھ سو وکلا شریک ہوئے۔ مقررین میں ڈاکٹر صاحب موصوف کے علاوہ جناب سید ہاشم رضا اور ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن بھی شامل تھے۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے "از روئے قرآن حکیم بعثت نبویؐ کا مقصد" کے عنوان سے سیرت مطہرہؐ کے اہم گوشوں پر روشنی ڈالی۔ خطاب تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہا اور حاضرین نے بیحد پسند کیا۔ بعض حضرات کو یہ کہتے بھی سنا گیا کہ سیرت مطہرہؐ پر ایسی مفید اور مؤثر تقریر سننے کا ان کو زندگی میں پہلی بار موقعہ ملا ہے۔

ہفتہ ہی کی شب کو مسجد قدسی جمشید روڈ میں بعد نماز عشا ڈاکٹر صاحب نے سورۂ واللیل کا درس دیا اور مرتبہ صدیقیت کی وضاحت فرمائی جس کے ضمن میں صدیق اکبر سیدنا ابوبکر رضؓ کی سیرت مبارکہ کے بہت سے گوشوں پر روشنی ڈالی۔ شرکا کی تعداد دو سو کے قریب تھی۔ اس

درس کے لئے بھی خواتین کی نشست کا انتظام کیا گیا تھا۔ اس مسجد میں ہر ہفتہ کی شب کو ڈاکٹر صاحب موصوف کے دروس قرآن کے ٹیپ پابندی سے سنائے جاتے ہیں۔

کراچی کا مرکزی اجتماع مدینہ مسجد آرٹلری میدان میں اتوار بتاریخ ۲۹ر جولائی کو صبح ساڑھے نو بجے منعقد ہوا۔ شرکاء کا محتاط اندازہ ڈیڑھ دو سو افراد ہے جس میں لوگ کراچی کے چہار اطراف سے شریک ہوتے تھے اور گرد و نواح کی بستیوں سے تشریف لائے تھے۔ اس اجتماع میں جناب ڈاکٹر صاحب نے سورہ فاتحہ کا درس دیا جو تقریباً سوا دو گھنٹے میں پورا ہوا۔ درمیان میں پندرہ منٹ کا وقفہ بھی دیا گیا تھا۔

اتوار کی شب ہی کو جناب ڈاکٹر صاحب نے ناظم آباد نمبر ۵ کی جامع مسجد میں نماز عشاء کے بعد خطاب کیا۔ خطاب کا موضوع "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے تعلق کی بنیادیں" تھا۔ جس کے لئے سورہ اعراف کی آیت کا یہ ٹکڑا فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ تلاوت کیا گیا تھا۔ شرکاء کی تعداد محتاط اندازے کے مطابق چار سو افراد سے بھی متجاوز تھی جس میں دیوبند کے فارغ التحصیل چند علماء اور مدرسہ امداد العلوم کے چند اساتذہ بھی شریک تھے۔ خواتین کی نشست کا بھی انتظام تھا۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ خطاب بیحد مؤثر تھا اور ازحد پسند کیا گیا"

اواخر دسمبر ۷۳ء میں جمعیت الفلاح ہال صدر کراچی میں ایک ہفت روزہ قرآنی تربیت گاہ منعقد ہوئی جس میں حسب سابق تین درس روزانہ ہوتے۔ ایک صبح نماز فجر کے بعد جس میں "اربعین نووی" کی ابتدائی احادیث کا درس دیا گیا۔ دوسرا بعد نماز عصر جس میں آخری پارے میں سے سلسلہ وار سورۂ بلد سے سورہ والتین تک چھ سورتوں کا درس ہوا اور تیسرا بعد نماز مغرب جو طویل ترین ہوتا تھا اور جس میں بحمد للہ پوری سورہ ہود کے علاوہ سورۂ یونس کے بھی دو رکوع مشتمل بر "ابناء الرسل" بیان ہوگئے۔

صبح کے درس حدیث میں تو حاضری کم ہی رہتی تھی لیکن شام کے دروس میں حاضری بالعموم دو اور تین صد کے مابین رہی اور بحمد للہ شرکاء نے حد درجہ ذوق و شوق کا اظہار کیا اور ان کی دلچسپی اختتام تک پوری طرح قائم رہی!

علاوہ ازیں سال کے اس آخری دورے میں ایک خطاب پاکستان نیشنل سنٹرز کی سالانہ تقریب سیرت النبیؐ میں ہوا (اس موقع پر جو کتاب "نشانِ تقریب" یعنی SOUVENIR کے طور پر سیرت کمیٹی پی این اور نے

شائع کی۔ اس میں "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" نامی کتابچہ پورے کا پورا شامل کر لیا گیا تھا!) دو خطابات جامع مسجد پیر الٰہی بخش کالونی اور مسجد خضراء' صدر میں اجتماعات جمعہ سے ہوئے اور ایک خطاب جامع مسجد نیو ٹاؤن میں ایک تقریب نکاح کے بعد "اسلام کا معاشرتی نظام" کے موضوع پر ہوا۔

آخری روز انجمن خدام القرآن کراچی کے ایک اجتماع ارکان میں بھی راقم نے شرکت کی اور الوداعی تقریر میں یہ فیصلہ بھی سنا دیا (جو راقم گزشتہ رمضان کے آخری عشرے ہی میں کر چکا تھا لیکن جس کے اعلان کی نوبت تا حال نہیں آئی تھی!) کہ سال ۷۷ء کے دوران راقم تین تین ماہ کے وقفے سے کل چار بار کراچی میں حاضر ہو گا۔ اگرچہ اس کی کسی قدر تلافی اس طرح ہو جائے گی کہ ہر بار قیام چار کے بجائے چھ روز رہے گا۔ چنانچہ اس پروگرام کے تحت اب مارچ یا اپریل میں کراچی حاضری ہو گی!

(۴)

قرآن کانفرنس کے ضمن میں برادر عزیز ڈاکٹر ابصار احمد سلمہ' کی مراجعت از انگلستان کا ذکر ہو چکا ہے۔ 'میثاق' کے پرانے قارئین، عزیز موصوف سے خوب واقف ہیں۔ 'میثاق' بابت جولائی ۶۷ء میں ان کا ایک مضمون بھی "فلسفہ میں تالیفی نقطہ نظر کے احیا کی ضرورت" کے عنوان سے شائع ہوا تھا اور پھر تقریباً ڈیڑھ دو سال تک ان کے خطوط سے اقتباسات بھی 'برید فرنگ' کے عنوان سے 'میثاق' میں چھپتے رہے تھے بعد ازاں جب ان کی تعلیمی مصروفیات بہت بڑھ گئیں تو یہ سلسلہ منقطع ہو گیا تھا۔

اس دور میں فلسفہ کی تحصیل کا معاملہ بہت ہی عجیب ہے۔ عام طور پر صورت یہ ہوتی ہے کہ جو چیز دینی اعتبار سے مضر ہو وہ کم از کم دنیوی پہلو سے تو سود مند ہوتی ہے لیکن یہاں معاملہ دو گونہ ہے کہ دین و مذہب کے لئے شدید خطرات بھی موجود ہیں اور خود دنیا میں بھی کسی منفعت کی صورت دُور دُور تک نظر نہیں آتی[1] پھر راقم کے تو پورے خاندان نے ہی فنی و ٹیکنیکل تعلیم حاصل کی تھی اور فلسفہ کی تحصیل کا یہاں دُور دُور تک کوئی نشان موجود نہ تھا۔ بایں ہمہ عزیز موصوف کو فلسفہ کی راہ پر لگانے میں راقم کے پیش نظر یہ مقصد تھا کہ اگر خدا توفیق دے تو وہ فلسفہ جدیدہ کی پیدا کردہ گمراہیوں کا مدلل ابطال کریں اور حقائق دینی کا اثبات مسلّم عقلی دلائل کی روشنی میں کریں۔

یادش بخیر، راقم کے دل میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے عملی جدوجہد کا جو ولولہ بالکل اوائل عمر

---

[1] بلکہ اس دور میں تو متعدد اہل علم و فضل کا حال جن سے راقم ذاتی طور پر واقف ہے، اس شعر کا مصداق کامل ہے کہ ؂

یوں پھریں اہل کمال آشفتہ حال افسوس ہے
اے کمال افسوس ہے تجھ پر کمال، افسوس ہے!!

ہی میں علامہ اقبال کے اوّلین مجموعہ اشعار "بانگِ درا" کے آخری حصّے کی نظموں سے پیدا ہؤا تھا اور جس نے بعد میں 'تحریکِ جماعت اسلامی' سے فعّال وابستگی کے دوران واضح خطوط پر سعی و جہد کے عزمِ مصمّم کی صورت اختیار کر لی تھی وہ جماعت اسلامی سے انقطاعِ تعلق کے بعد بحمد اللہ نہ صرف یہ کہ مضمحل نہیں ہؤا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ علامہ مرحوم کے اس شعر کے مصداق دو آتشہ ہو گیا کہ ؎

تخم جس کا تو ہماری کشتِ جاں میں بو گئی
شرکتِ غم سے وہ الفت اور محکم ہو گئی!

عمر کی روانی اعصار سے ہرگز کم نہیں اور وقت گزرتے بالکل دیر نہیں لگتی۔ سوچنے پر حیرانی ہوتی ہے کہ جماعت اسلامی سے علیحدگی کو پورے سترہ سال ہونے کو آئے۔ اس دوران میں ایک پوری نئی نسل پیدا ہو کر جوان بھی ہو گئی جس کے لئے راقم کا دورِ وابستگیٔ جمعیت و جماعت ماضی کی تاریخ کے ایسے بھولے ہوئے ورق سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ تا آنکہ آج اسلامی جمعیت طلبہ کے انتہائی فعّال کارکن بھی، اس کے باوجود کہ تا حال راقم ہی کی مطبوعہ تقاریر پڑھتے اور پڑھاتے ہیں، راقم کے نام تک سے واقف نہیں[1] اور شاذ ہی ہوں گے۔ وہ لوگ جنہیں یہ علم ہو گا کہ کم از کم پنجاب میں جمعیت طلبہ کا فعّال دور راقم ہی کی محنت کا رہون منت ہے ــــــ تاہم ہمیں اس کا ہرگز کوئی افسوس نہیں بلکہ کامل اطمینان ہے کہ بحمد اللہ ان سترہ سالوں میں ایک دن بھی ایسا نہیں گزرا جس میں وہ عزمِ مصمّم کسی بھی درجے میں مضمحل ہؤا ہو یا مقصد کی لگن اور نصب العین کی دُھن میں کسی پہلو سے کوئی کمی آئی ہو تا آنکہ آج بھی جبکہ اس تحریک کا جہاز پاش پاش ہو چکا اور اب اس کے صرف کچھ شکستہ تختے ہی کہیں کہیں سطحِ آب پر موجوں سے کش مکش کرتے نظر آتے ہیں۔ اور جبکہ اس کے بڑے بڑے ستون " كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ " کا منظر پیش کر رہے ہیں، اور اس کے کارکنوں کی عظیم اکثریت، قطع نظر اس کے کہ وہ آخر وقت تک جہاز میں سوار رہے یا کسی مرحلے پر کسی سبب سے اسے خیرباد کہہ گئے، جنہوں نے کبھی واقعی انقلابی کارکنوں کے سے جوشِ عمل اور قوتِ کردار کا مظاہرہ کیا تھا آج زمانے کے تلخ حقائق کے ہاتھوں شکست کھا کر صرف معطل اور مضمحل ہی نہیں ہو بیٹھے بلکہ باقاعدہ سجدہ سہو ادا کرنے میں مصروف اور ہر اُلٹے سیدھے طریقے سے 'تلافیٔ مافات' کی سعی میں مشغول نظر آتے ہیں۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ راقم اسی جوش کار اور ارادے کی پختگی کے ساتھ برسرِ عمل ہے گویا ؎

ایک بلبل ہے کہ ہے محوِ ترنم اب تک
اس کے سینے میں ہے نغموں کا تلاطم اب تک!

---

[1] اس لئے کہ " احتیاطاً" ان پر راقم کا نام طبع نہیں کرایا جاتا!

اور جیسے جیسے زمانہ بیتا اس کا حال بحمد اللہ یہ ہوتا چلا گیا کہ ع "اب کچھ بھی نہیں مجھ کو محبت کے سوا یاد!" تا آنکہ وہ علم طب اور فن علاج بھی، جس کی تحصیل پر عمر عزیز کے پورے پانچ سال صرف کئے تھے۔ اب یوں معلوم ہوتا ہے کہ پچھلے جنم کی بات ہو یا ایسے جیسے ؎

ہلکی ہلکی سی یاد باقی ہے
تم ملے تھے کہ خواب آیا تھا!

یہ داستان اس وقت اس لئے نوکِ قلم پر آ گئی کہ ذہن میں عزیزم ابصار احمد سلمہٗ کے حوالے سے آج سے چودہ پندرہ سال قبل کی کچھ یادیں تازہ ہو گئیں۔

اپریل ۱۹۵۷ء میں جماعت اسلامی سے علیحدگی[1] اختیار کرنے کے بعد کچھ عرصہ تو اس امید اور بھاگ دوڑ میں گزرا کہ کسی طرح جماعت سے علیحدہ ہونے والے لوگ اپنی جدا ہیئت تنظیمی قائم کر لیں۔ چنانچہ لاہور اور لائل پور کی بے شمار 'مجالس مشاورت' کے علاوہ خود راقم کے زیر اہتمام اور محب مکرم شیخ منظور الحق صاحب کے تعاون سے ایک سہ روزہ اجتماع عزیز ٹینریز ہڑپہ (ضلع ساہیوال) میں ہوا جس میں علیحدگی اختیار کرنے والے تمام اکابر جمع ہوئے۔ لیکن افسوس کہ گوہرِ مقصود ہاتھ نہ آ سکا۔ اسی تگ و دو میں راقم نے دسمبر ۱۹۵۸ء میں کراچی کی رحلت اولیٰ اختیار کی اور برادرم ڈاکٹر مسعود الدین حسن عثمانی کے ساتھ اشتراک عمل کی کوشش کی۔ بدقسمتی سے وہاں سے جلد ہی والد صاحب مرحوم و مغفور کی علالت طبع کے باعث واپس آ جانا پڑا۔ پھر کچھ وقت بعض صاحب ثروت مقامی رفقاء کے ساتھ کسی بڑے تعلیمی ادارے کی تاسیس کے منصوبوں پر سوچ بچار میں گزرا۔ اور بالآخر اس سے بھی مایوس ہو کر راقم نے اس فیصلے کے ساتھ کہ "جو کام بھی ہو گا خالص ذاتی سرمائے سے ہو گا خواہ وہ ایک پیسہ ہی ہو اور اپنی ہی زمین پر ہو گا چاہے وہ ایک گز ہی ہو"[2] خالص ذاتی اور نجی طور پر دو کاموں کا آغاز کیا۔ یعنی ایک حلقہ مطالعہ قرآن کا قیام اور دوسرے کالج کے طلباء کے لئے ایک اسلامی ہاسٹل کا قیام۔ ان کا مختصر تعارف مولانا امین احسن اصلاحی مدظلہ

---

[1] یہ سوال کہ یہ علیحدگی کیوں ہوئی تھی اب بھی بہت سے حضرات کی طرف سے گفتگوؤں یا خطوط میں پیش ہوتا ہے، ایسے جملہ حضرات سے عرض ہے کہ وہ راقم کی تالیف "تحریک جماعت اسلامی: ایک تحقیقی مطالعہ" ضرور پڑھیں اور مزید برآں 'میثاق' ۱۹۶۶-۶۷ء کا فائل بھی ضرور دیکھیں جس میں اس داستان کا تلخ ترین باب "نقضِ غزل" کے عنوان سے پانچ قسطوں میں (تا حال ادھورا) شائع ہوا ہے۔

[2] "کار خود کن کار بیگانہ مکن — بر زمین دیگرے خانہ مکن!"

کی زبانی سنیئے، مولانا "میثاق" بابت مئی ۶۲ء کے "تذکرہ و تبصرہ" کے آغاز میں فرماتے ہیں :-

"ہمارے عزیز بھائی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے منٹگمری شہر میں کچھ عرصہ سے ایک حلقۂ مطالعہ قرآن جاری کر رکھا ہے اس کے زیر اہتمام ہفتہ وار درس قرآن بھی ہوتا ہے اور وقتاً فوقتاً اسلامی مباحث پر علمی و تحقیقی لیکچروں کے لئے باہر کے اصحاب علم کو بھی دعوت دی جاتی ہے۔ اس کی دعوت پر دو مختلف وقتوں میں دو لیکچر "تدبر قرآن کے آداب و شرائط" اور "قرآن کا فلسفہ تاریخ" کے عنوان سے راقم کو بھی دینے کے موقعے نصیب ہوئے۔ ان دونوں لیکچروں میں شہر کے ذہین طبقہ کی ایک اچھی تعداد نے شرکت کی اور تقریروں سے پوری دلچسپی لی۔ یہ تقریریں ٹیپ ریکارڈ پر محفوظ بھی کر لی گئی ہیں اور حلقہ کی طرف سے افادہ عام کی غرض سے ان کی اشاعت کی بھی سکیم ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی کہ شہر کے تعلیم یافتہ طبقہ کی دلچسپی برابر اس حلقہ کے ساتھ بڑھ رہی ہے اور قرآن سے استفادہ کرنے والوں کا دائرہ روز بروز وسیع ہوتا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے نہایت مفید اور بابرکت کام کی بنیاد ڈالی۔ یہ دور اسلام کی غربت کا دور ہے اس دور میں اللہ کے جس بندے سے دین کی جو خدمت بھی بن آئے اس میں اپنا تن من دھن لگا دے آج چھوٹی چھوٹی خدمتوں کا بھی انشاء اللہ وہ اجر ملے گا جو کل بڑی بڑی خدمتوں ہی کے لئے مخصوص تھا شرط صرف قربانی اور اخلاص نیت کی ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اس کام کے ساتھ ساتھ ایک اور نہایت ہی مفید اور قابل تقلید کام کی بنیاد رکھی ہے۔ یہ ہے ایک اسلامی دارالاقامہ کا قیام۔ اس دارالاقامہ کا مقصد ان طلبہ کے لئے اسلامی تعلیم و تربیت کی تمام ضروری سہولتیں مہیا کرنا ہے جو مقامی کالج میں زیر تعلیم ہیں۔ اس زمانہ میں جبکہ دین اور دنیا دونوں کی جامع درسگاہیں مفقود ہیں اور ان کا قائم کرنا اور کامیابی کے ساتھ چلانا بحالات موجود تقریباً محال ہے تو ان کے بدل کے طور پر یہ طریقہ اختیار کیا جائے کہ بڑے شہروں میں ایسے ہوسٹل قائم کئے جائیں جن میں کالجوں کے طلبہ کے لئے رہائش کی سہولتیں بھی فراہم ہوں، اور ذی علم اور دیندار اساتذہ کی نگرانی میں ان کو اسلامی تعلیم و تربیت سے بھی آراستہ کرنے کی کوشش کی جائے، یہ ایک بیچ کی راہ ہے جو موجودہ حالات میں تعلیمی اداروں کے مضر اثرات کو کم کرنے اور ان کے اندر سے سعید روحوں کو چھانٹ کر ان کی قابلیتوں اور صلاحیتوں کو اسلام کی راہ پر لگانے کے لئے اختیار کی جا سکتی ہے۔"

اس ہاسٹل کے قیام کا خیال راقم کے دل میں اصلاً اس لئے پیدا ہوا تھا کہ عزیزم ابصار احمد نے اپنی

دونوں میٹرک کا امتحان پاس کیا تھا اور اب ان کی کالج کی تعلیم کا مرحلہ شروع ہو رہا تھا۔ چنانچہ مقاصد متذکرہ بالا کے لئے راقم نے ایک تو انہیں بجائے سائنس کے آرٹس کے مضامین بشمول فلسفہ دلوائے اور دوسرے ان کی مناسب تربیت کے لئے بعض دوسرے قریبی اعزہ کے بچوں کو شامل کرکے ایک "اسلامی دارالاقامہ" کا ماحول فراہم کرنے کی کوشش کی۔

اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل و احسان کے علاوہ یہ اسی ہاسٹل کی ابتدائی تربیت کا ثمرہ ہے، جس میں خصوصی دخل مولانا عبدالغفار حسن مدظلہ کی مخلصانہ مساعی کو حاصل ہے کہ فلسفے میں پہلے کراچی سے ایم اے، پھر ریڈنگ (انگلینڈ) سے ایم فل اور پھر لندن سے پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کرنے کے باوجود اور لگ بھگ چھ سال انگلستان کی ہوا کھانے کے باوصف آنعزیز کا دینی مزاج بھی برقرار رہا۔ نماز روزے سے شغف بھی علیٰ حالہ قائم رہا اور چہرے پر داڑھی بھی اگر بڑھی نہیں تو بحمداللہ کم بھی نہیں ہوئی فَلِلّٰہِ الحمدُ والمنّۃ

بدقسمتی سے یہ ہاسٹل، ایک دوسری سکیم کے تحت راقم کی کراچی کی رحلتِ ثانیہ کے باعث صرف تین سال قائم رہ سکا اور ع "آں قدح بشکست و آں ساقی نماند!" کا مصداق اور "خوش درخشید ولے شعلۂ مستعجل بود!" کی مثال بن کر رہ گیا ——— ویسے یہ 'بدقسمتی' کا لفظ راقم کے قلم سے محض عادتاً ٹپک گیا ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے یہاں جو کچھ بھی ہوتا ہے اللہ ہی کے اذن سے ہوتا ہے اور اس کے ہاتھ میں خیر ہی خیر ہے — یہاں تک کہ وہ شر میں سے بھی خیر برآمد فرما دیتا ہے اب سوچتا ہوں تو محسوس ہوتا ہے کہ تین سال میں اس ہاسٹل کا اصل مقصد بھی پورا ہو چکا تھا اس لئے کہ عزیزم ابصار احمد سلمہ نے ساہیوال سے بی اے آنرز کر لیا تھا اور اب خود انہیں بھی لامحالہ لاہور یا کراچی ہی کا رُخ کرنا تھا گویا اللہ کو جو کام اس ہاسٹل سے لینا تھا وہ لیا جا چکا تھا اور پھر راقم کی رحلت کراچی ہی تھی جو بعد میں راقم کی لاہور نقل مکانی کا بہانہ اور اس دعوت رجوع الی القرآن کے پاکستان کے ثقافتی و علمی مرکز سے آغاز کا ذریعہ بنی[1] (اور خود مولانا عبدالغفار حسن مدظلہ کے لئے بھی یہی رحلتِ کراچی تھی جو مجاورت حرمین شریفین اور خصوصاً حرم نبوی میں متمکن ہونے کی تمہید بنی) واللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰٓی اَمْرِہٖ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ!

بہرحال منٹگمری سے راقم تو کراچی ہوتا ہوا ۱۹۶۵ء میں لاہور آباد ہوا اور عزیزم ابصار احمد سلمہ کراچی سے نہایت امتیاز کے ساتھ ایم اے کرنے کے بعد MERIT SCHOLARSHIP پر پی ایچ ڈی کی غرض سے عازم انگلستان ہو گئے!

ان کے قیام انگلستان کے دوران راقم یہاں پر تو ان کے جسم و جان اور دین و ایمان کی سلامتی کے لئے دست بدعا رہا ہی، علاوہ ازیں یہ معمول بھی مستقلاً قائم رکھا کہ جب کبھی انہیں خط لکھا، آغاز میں نام

[1] گویا "ثُمَّ جِئْتَ عَلٰی قَدَرٍ یّٰمُوْسٰی" والا معاملہ ہے!

کے ساتھ سلمہ اللہ تعالیٰ کے معاً بعد "وَوَفَّقَہٗ وَ اِیَّانَا لِمَا یُحِبُّ وَ یَرْضٰی" کے الفاظ کا اضافہ لازماً کیا (یعنی اللہ تعالیٰ انہیں بھی ہر اس بات کی توفیق عطا فرمائے جو اُسے پسند ہو اور جس سے وہ راضی ہو اور ہمیں بھی!)

الحمد للہ کہ اب وہ لوٹ آئے ہیں اور بفضلہٖ تعالیٰ اپنی آمد کے تین ماہ کے اندر اندر اپنی آزاد اور ذمہ دارانہ عملی زندگی کے آغاز کے دونوں لازمی مرحلوں سے بھی گزر چکے ہیں۔ یعنی یہ کہ ان کا تقرر بھی جامعہ پنجاب کے شعبہ فلسفہ میں بطور استاذ ہو گیا ہے جہاں انہوں نے ۵ دسمبر ۱۹۷۱ء سے کام شروع کر دیا تھا اور ان کی شادی خانہ آبادی بھی بخیر و خوبی انجام پا چکی ہے۔

اب دیکھنا ہے کہ وہ راقم کی توقعات کو کس حد تک پورا کرتے ہیں اور ان امیدوں کو بر لانے کے لئے عملی سعی و جہد کا آغاز کب اور کس طرح کرتے ہیں۔ راقم اپنے رب کی رحمت سے ہرگز نا امید نہیں وہ یوں تو اپنے تمام ہی بھائیوں کے لئے بارگاہ خداوندی میں دست بدعا رہتا ہے کہ وہ انہیں احیائے دین کی اس جد و جہد میں اس کے دست و بازو بنا دے۔ عزیزی کا معاملہ سب سے سوا اور جیسا کہ اس تفصیل سے ظاہر ہے کسی قدر "وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ" کا مصداق ہے لہٰذا ان کے لئے خصوصی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں راقم کے لئے "وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ" اور "وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ" کی دعاؤں کا کامل جواب بنا دے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ !!

(۵)

عزیزم ڈاکٹر ابصار احمد سلمہٗ کی شادی خانہ آبادی سے راقم نے شادی بیاہ کی رسومات کے سلسلے میں ایک اصلاحی جد و جہد کا آغاز بھی بتوفیق خداوندی کر دیا ہے۔

راقم کو گزشتہ چند سالوں میں احباب و رفقا کے شدید تقاضے پر متعدد احباب کے یہاں شادی کے موقع پر نکاح پڑھانے کا اتفاق ہوا۔ راقم کا معمول ان مواقع پر یہ رہا کہ خطبہ نکاح کی صورت یہ نہ ہوتی کہ جیسے محض دولہا ہی کو سنانا مطلوب ہے یا صرف بطور جنتر منتر پڑھ دینا مقصود ہے بلکہ خطبہ نکاح ایک باقاعدہ خطاب عام کی صورت میں ہوتا اور اس میں ان آیات و احادیث کی وضاحت ہوتی جو نکاح کے مسنون خطبے میں آتی ہیں۔ ساتھ ہی مروّجہ رسومات پر کچھ تنقید بھی ہوتی اور اصلاح احوال کے لئے کچھ مشوروں اور نصیحتوں کا سلسلہ بھی جاری رہتا جن میں خصوصی زور اس بات پر دیا جاتا رہا کہ ہمیں شادی بیاہ کے پورے معاملے کو زیادہ سے زیادہ مطابقِ سنت بنانا چاہیئے اور جو جو اضافے رسوم و رواج کے باعث ہوئے ہیں ان سب کو ترک کر دینا چاہیئے ــــ مثلاً یہ کہ نکاح مسجد میں ہونا چاہیئے جہیز اور بری وغیرہ کی نمائش بالکل نہیں ہونی چاہیئے۔ گھروں کی تزئین و آرائش اور خصوصاً روشنی

وغیرہ پر اسراف سے بچنا چاہیئے اور دعوتِ طعام صرف ایک ہونی چاہیئے۔ یعنی دعوتِ ولیمہ، لڑکی والوں کی جانب سے نکاح کے موقعہ پر دعوت طعام کا سلسلہ بند ہونا چاہیئے وغیرہ وغیرہ ——— احباب کا کرم تھا کہ وہ یہ ساری باتیں سن کر نگاہیں نیچی کر لیتے تھے بلکہ بسا اوقات مجالس نکاح کے شرکاء کی جانب سے اس "وعظ" کی بڑی تحسین بھی ہوتی تھی تاہم عملاً معاملہ وہی تھا کہ "زمین جنبد نہ جنبد گل محمد" اس لئے کہ ان بھاری پتھروں کا راستہ سے ہٹانا کوئی آسان کام بہرحال نہیں ہے اور اس کے لئے بڑے پختہ عزم اور مصمّم ارادے کی ضرورت ہے!

یہ معاملہ چل ہی رہا تھا کہ دفعتاً عزیزم ابصار احمد سلمہٗ کی شادی کا مرحلہ آپہنچا تو ذہن اس جانب منتقل ہوا کہ جو کچھ دوسروں کو بطور نصیحت کہتے رہے ہو اب یا تو خود اس پر عمل کر کے دکھاؤ ورنہ ان باتوں کا کہنا بھی چھوڑ دینا چاہیئے۔ گویا بقول علامہ اقبال ؎ "یا سراپا نالہ بن جا یا نوا پیدا نہ کر!" خوش قسمتی سے برادر محترم شکیل احمد صاحب جن کی صاحبزادی سے رشتہ طے پایا تھا خود بہت پختہ دینی مزاج کے حامل ہیں۔ گویا اصل مسئلہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی حل کر دیا تھا۔ چنانچہ بحمداللہ کوئی دقت پیش نہ آئی اور جونہی راقم نے ان کے سامنے پورا معاملہ رکھا انہوں نے فوراً برضا و رغبت آمادگی کا اظہار کر دیا۔ اگرچہ بعد میں بعض دوسرے اعزّہ و اقارب نے معاملے کو سخت ردّ و قدح اور طعن و استہزاء کا موضوع بنایا اور کسی قدر تلخی بھی پیدا کر دی تاہم بحمداللہ یہ شادی ٹھیٹھ سنتِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مطابق ہوئی۔

رسومات کے بڑے بڑے پتھر، جیسا کہ معلوم ہے، زیادہ تر لڑکی والوں کے یہاں نصب ہوتے ہیں اس سلسلے میں جس اصلاحی عمل کا آغاز ہوا ہے اس کا اندازہ اس دعوتی رقعے کی عبارت سے لگایا جا سکتا ہے جو تقریب نکاح میں شرکت کے لئے شکیل احمد صاحب کی جانب سے طبع ہو کر تقسیم ہوا، وھو ہذا:-

> محترمی و مکرّمی ——— السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ'
>
> الحمد للہ کہ میری بچی عزیزہ سلمہا کا عقد نکاح مسنونہ عزیزم ڈاکٹر ابصار احمد سلمہٗ پی ایچ ڈی (لندن) خلف الرشید حاجی شیخ مختار احمد صاحب مرحوم و مغفور کے ساتھ بروز جمعہ ۹ نومبر ۱۹۷۳ء مطابق ۱۳ شوال المکرم ۱۳۹۳ھ ہونا طے پایا ہے۔
>
> عزیزم ابصار احمد سلمہٗ کے برادر کلاں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے اصرار پر طے پایا ہے کہ نکاح شریف

لہ واضح رہے کہ کراچی اور سندھ کے بعض دوسرے علاقوں میں اس اصلاحی عمل کا آغاز بہت پہلے ہو چکا ہے۔

شادی بیاہ کی رسوم کی اصلاح کی تحریک کے نقطۂ آغاز کے طور پر

(۱) تقریب عقد نکاح سنت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مطابق مسجد میں منعقد ہوگی۔

(۲) اس موقع پر دعوتِ طعام کا اہتمام نہیں کیا جائے گا۔

آپ سے التماس ہے کہ آپ ۹ نومبر ۱۹۷۳ء کو نماز جمعہ توکلی مسجد میں ادا فرمائیں اور نماز کے متصلاً

بعد تقریب نکاح مسنونہ اور دعائے خیر میں شرکت فرما کر ممنون فرمائیں۔

المکلف : شکیل احمد، ۱۰۰ اسی سٹیلائٹ ٹاؤن سرگودھا "

متوکلی مسجد سرگودھا میں تقریب نکاح میں مولانا مفتی محمد شفیع مرحوم کے صاحبزادگان بھی موجود تھے جنہیں اب مفتیانِ شہر کا درجہ حاصل ہے۔ اللہ ان حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ انہوں نے اس اقدام کو بے حد سراہا بلکہ فرمایا کہ اصل میں تو یہ کام ہمارے کرنے کا تھا لیکن یہ اللہ کی دین ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے (ذالک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاءُ) نماز جمعہ سے قبل خطبہ جمعہ بھی خطیب صاحب نے اسی موضوع پر دیا اور حاضرین کو اس مثال کی تقلید کرنے کی نصیحت کی۔ بعد از نماز راقم نے بھی ایک مفصل تقریر اسی موضوع پر کی۔ بعدازاں نکاح مفتی شہر نے پڑھایا اور پھر دعا پر یہ تقریب سعید ختم ہوئی !

ادھر ایک تو جو دعوتی رقعہ ولیمہ کے لئے شائع کیا گیا، اس میں راقم نے باقاعدہ اس حدیث نبوی کا حوالہ دیا کہ " اِذَا دُعِیَ اَحَدُکُمْ اِلَی الْوَلِیْمَۃِ فَلْیَاْتِہَا " اور دوسرے تناول طعام کے لئے مروّجہ لعنتِ بوفے کی بجائے فرشی نشست کا اہتمام کیا۔

شادی بیاہ کی رسومات کے سلسلے میں اصلاح کا یہ عمل کراچی کی بعض تجارت پیشہ برادریوں میں بہت عرصے سے جاری ہے۔ چنانچہ راقم اکثر تقاریب نکاح میں اپنی اس حیرت کا اظہار کرتا رہا ہے کہ تعجب کی بات ہے کہ کراچی سے جس برائی کا آغاز ہوا اسے تو لاہور یا پنجاب کے دور دراز گوشوں تک پہنچنے میں کوئی دیر نہیں لگتی لیکن ایک بھلا کام جو وہاں عرصے سے ہو رہا ہے اس کے بارے میں یہاں تا حال سوچا بھی نہیں گیا۔ اب راقم نے اس کام کا بیڑا اٹھا لیا ہے اور انگریزی کے مقولے "CHARITY BEGINS AT HOME" کے مطابق اس کا آغاز بھی اپنے گھر ہی سے کر دیا ہے تو اوّل مرحلے میں قارئینِ میثاق، ہی کی خدمت میں استدعا ہے کہ وہ ان معاملات پر سنجیدگی سے غور کریں۔

جہاں تک نکاح کی تقریب کے مساجد میں انعقاد کا معاملہ ہے وہ ایسی مشکل بات نہیں ہے اکثر لوگ اس پر جلد ہی راضی ہو جاتے ہیں اس لئے کہ بات بڑی واضح ہے۔ راقم نے بہت سے مواقع پر جب

نے ہمیں زندگی کے ہر گوشے سے متعلق مفصل ہدایات دے دی ہیں۔ یہاں تک کہ ہم فخر سے کہتے ہیں کہ ہمارے نبیؐ نے ہمیں استنجا اور طہارت تک کی بھی مفصل تعلیم دی ہے تو کیا کچھ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ شادی بیاہ ایسے معاملات میں حضورؐ کی جانب سے کوئی کوتاہی رہ گئی ہے جس کی تلافی کی کوشش ہمیں از خود کرنی ہے ——— اگر اس سوال کا جواب نفی میں ہو اور یقیناً نفی ہی میں ہے تو ہمیں سوچنا چاہیئے کہ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کے ضمن میں دعوت ولیمہ کی تاکید فرمائی، اور اس کی اس لازمی برائی کا ذکر کرنے کے باوجود کہ " بِئْسَ الطَّعَامِ طَعَامُ الوَلِيْمَةِ يُدعىٰ اِلَيْهِ الاغنياءُ وَيُترَكُ المساكينُ" یعنی دعوت ولیمہ بھی کیا ہی بُری دعوت ہے جس میں صاحبِ حیثیت لوگوں کو بُلایا جاتا ہے اور محتاجوں سے صرفِ نظر کر لیا جاتا ہے۔ اس مثبت حکم کے علاوہ جس کا ذکر پہلے آچکا ہے مزید تہدید بھی فرمائی گئی کہ " مَنْ لَمْ يَأْتِ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللهَ وَرَسُوْلَهُ[۱] " یعنی جو دعوت میں (بلا عذر) شریک نہ ہو گا اس نے (گویا) اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کا ارتکاب کیا! تو اگر نکاح کے موقعہ پہ بھی دعوتِ طعام کوئی اچھا کام ہوتا، اور اس میں کوئی بھی پہلو خیر کا موجود ہوتا تو کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اس کا حکم نہ دیتے یا کم از کم درجہ استحباب ہی میں اس کا ذکر نہ فرماتے؟ اور جب اس کا کوئی ذکر ہمیں کسی حدیث میں نہیں ملتا تو کیا یہ ایک خواہ مخواہ کی بدعت نہیں؟ اور کیا یہ اُن اِصْر اور اغلال[۲] کے قبیل کی چیز نہیں جن کے بوجھ سے انسانوں کی گردنوں کا آزاد کرنا مقاصد نبوت میں شامل ہے؟

دوسری دلیل وہ ہے جو ہر صاحب عقل سلیم اور مالک طبع صحیح کو اپیل کرے گی۔ یعنی یہ کہ شادی کا موقع لڑکی والوں کے لئے ویسا کھلی خوشی کا موقع نہیں ہوتا جیسا لڑکے والوں کے لئے ہوتا ہے۔ لڑکے کے لئے یہ خانہ آبادی کا موقع ہوتا ہے اور لڑکے والے کے گھر میں ایک فرد کا اضافہ ہو رہا ہوتا ہے لہٰذا اصل خوشی وہاں ہوتی ہے (یہی وجہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے دعوت عرس کا حکم لڑکے ہی کو دیا!) لڑکی کے والدین کو اس کی شادی کے موقعہ پہ اگرچہ اس پہلو سے ایک احساس اطمینان ضرور ہوتا ہے کہ ایک اہم فرض ادا ہو گیا اور ذمہ داری کا ایک بھاری بوجھ کاندھے سے اُتر گیا لیکن صحیح معنی میں ان کے یا لڑکی کے بھائی بہنوں کے لئے یہ خوشی کا موقعہ ہرگز نہیں ہوتا بلکہ عام

---

۱ واضح رہے یہ تمام حدیثیں مسلم شریف سے ماخوذ ہیں۔
۲ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ (سورۃ اعراف)
اور اتارتا ہے ان کے بوجھ اور ان کی گردنوں کے طوق

مشاہدہ یہ ہے کہ لڑکی کی رخصتی کے وقت سب اہلِ خانہ اشکبار ہوتے ہیں۔ گھر کا ایک فرد، ماں باپ کی لاڈلی اور ناز و نعم کی پالی ہوئی بچی، بہنوں اور بھائیوں کی پیاری ماں جائی کا گھر سے رخصت ہونا ظاہر ہے کہ ہرگز خوشی کی بات نہیں ـــــ اس پر مستزاد ہیں مستقبل کے اندیشے جو ہر طرح کے حزم و احتیاط کے باوجود بہرحال بالکل ختم کسی طرح نہیں ہو سکتے کہ کیا معلوم نباہ ہو یا نہ ہو اور بیل منڈھے چڑھے یا نہ چڑھے ـــــ ان حالات میں اس گھر پر اور انہی گھر والوں کے ہاتھوں قورمے اور متنجن اڑانا یقیناً بڑی ہی دناءتِ طبع اور سفلہ مزاجی کا معاملہ ہے۔ ایک غیرت مند اور باحمیت انسان کے لئے یہ چیز، الّا آنکہ ذہن ادھر منتقل نہ ہوا ہو، بڑی ہی قابلِ حذر ہے۔

اب اگر یہ دونوں چیزیں اظہر من الشمس ہیں: یعنی نکاح کی تقریب مسجد میں ہو اور اس موقع پر دعوتِ طعام کو پروگرام سے خارج (ELIMINATE) کر دیا جائے تو خود بخود 'بارات' کا پورا تصوّر ہی ختم ہو جاتا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ یہ ہے ہی ختم کئے جانے کے لائق ہی نہیں صد لائق! خدا کا شکر ہے کہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی احادیث کے پورے ذخیرے، یہاں تک کہ جتنی عربی راقم کو آتی ہے، کم از کم اُس کی پوری لُغت میں کوئی لفظ ایسا موجود نہیں ہے جس کا ترجمہ لفظ 'بارات' سے کیا جا سکے اور جس طرح یہ لفظ خالص عجمی ہے اسی طرح اس کا پورا تصوّر بھی خالص عجمی ہے اور اس کا وہ نقشہ تو خالص ہندوانہ ہے جو ہمارے ذہنوں میں شادی بیاہ کے لوازم کی حیثیت سے رچ بس گیا ہے۔ یہ ایک جتھے کی صورت میں جمع ہو کر اور باقاعدہ 'چڑھائی' کے انداز میں لڑکی والے کے گھر جانا اور پھر لڑکی کا ڈولا لے کر 'فاتحانہ' انداز میں لوٹنا خالص ہندوانہ تصوّر ہے جس کی بیخ کنی لازماً کی جانی چاہیئے۔[1]

بارات کا متذکرہ بالا تصوّر نہ صرف یہ کہ خالص عجمی ہی نہیں خالص ہندوانہ ہے بلکہ ذرا غور کیا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ بڑی کم ظرفی کا مظاہرہ بھی ہے ہوئے ہے، بڑی شان اور شوکت کے ساتھ دندناتے ہوئے جانا اور لڑکی والوں پر پورا رعب جھاڑتے ہوئے بطرزِ استحقاق پلاؤ زردے اڑانا اور پھر فاتحانہ شان میں 'مالِ غنیمت' سے لدے پھندے واپس آنا، حیرت ہے کہ کیوں لوگوں کو محسوس نہیں ہوتا کہ ان چیزوں کی اس دین سے کسی طور پر کوئی مناسبت نہیں ہو سکتی جو ہر معاملے میں

[1] تفنّنِ طبع کے لئے راقم اپنا خالص ذاتی احساس بھی بیان کئے دیتا ہے کہ خصوصاً جوش ملیح آبادی علیہ ما علیہ کی "یادوں کی بارات" کے بعد کم از کم راقم کے لئے تو 'بارات کی یاد' بھی سخت گھناؤنی اور نفرت انگیز چیز بن چکی ہے!

شرافت و مروّت، وقار و متانت اور دوسروں کے جذبات کے پاس و لحاظ کی تعلیم دیتا ہے۔

بہر حال شادی بیاہ کے سلسلے میں یہ وہ ناپاک تثلیث (UN HOLY TRIO) ہے جو رل مل کر ایک وحدت بن گئی ہے، یعنی عیسائیوں ہی کے قول کے مطابق توحید بھی ہے اور تثلیث بھی (THREE IN ONE AND ONE IN THREE) اور بہتر یہی ہے کہ ان تینوں کی جڑوں پر بیک وقت ضرب کاری لگائی جائے ورنہ اگر کسی ایک کی بیخ کنی پر اکتفا ہوئی تو باقی دونوں فوراً اس تیسری کو بھی از سر نو زندہ کر لیں گی۔ اس سلسلے میں بعض لوگوں کا یہ خیال بالکل درست نہیں ہے کہ رفتہ رفتہ اور تدریجاً اصلاح کی طرف قدم بڑھاتے جائیں۔ ایسے معاملات میں ایک ہی بار کا ایک بڑا اقدام مفید بھی رہتا ہے اور پائدار بھی ——— !

چنانچہ راقم الحروف نے کم از کم اپنی ذات کی حد تک تو بعض فیصلے کرلئے ہیں جن پر بتوفیق ایزدی تا زندگی قائم رہنے کا عزم مصمم ہے الّا آنکہ ان میں سے کسی کا غلط ہونا کوئی صاحب از راہ کرم دلائل سے ثابت کر دیں۔ ان کا اعلان راقم اپنے قریبی اعزہ و اقارب کے حلقے میں پہلے ہی کر چکا ہے۔ اب اس تحریر کے ذریعے جملہ احباب و رفقا مطلع ہو جائیں کہ آئندہ راقم الحروف :

(ا) کسی بارات میں شریک نہیں ہو گا۔

(ب) نکاح کے موقع پر کسی دعوت طعام میں شامل نہیں ہو گا۔ اور

(ج) کسی ایسی تقریب نکاح میں شرکت نہیں کرے گا جو مسجد میں منعقد نہ ہو !!

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس فیصلے پر کاربند رہنے کی توفیق عطا فرمائے اور ساتھ ہی جملہ احباب و رفقا بلکہ جملہ قارئین 'میثاق' کی خدمت میں بھی گزارش ہے کہ وہ اس مسئلے پر سنجیدگی سے غور فرمائیں اور اگر بات دل کو لگے تو ہمت کر کے اپنے اپنے خاندانوں اور اپنی اپنی برادریوں میں اس پر باہمی گفت و شنید کے ذریعے متفقہ فیصلے کرانے کی کوشش کریں اور اگر اجتماعی فیصلے نہ ہو سکیں تو بھی ہمت مردانہ اور جرأت رندانہ سے کام لے کر خود یک طرفہ فیصلوں کا اعلان کر دیں اس لئے کہ اس کے بغیر یہ کام ہرگز نہ ہو سکے گا اور معاشرتی اصلاح (SOCIAL REFORMS) کا معاملہ محض گپ بازی کا موضوع بن کر رہ جائے گا۔ بقول علامہ اقبال ع

"لاکھ حکیم سر بجیب، ایک کلیم سر بکف !!"

(۹)

آخر میں ایک اطلاع اور ایک اعلان مزید!

اطلاع یہ کہ جمعہ ۸ فروری کی شام سے مرکزی دفتر انجمن خدام القرآن لاہور واقع ۱۲ افغانی روڈ سمن آباد لاہور میں ایک ہفت روزہ نشست برائے تفہیم خطبات علامہ اقبال کا سلسلہ شروع کیا جارہا ہے۔ اس کے لئے محترم سید نذیر نیازی صاحب نے وقت دینا منظور فرمالیا ہے۔ یہ نشست ہر جمعہ کو بعد نماز مغرب مرکز انجمن میں دوسری منزل پر واقع ایک کمرے میں منعقد ہوا کرے گی ——— اور اس میں شرکت کی دعوت عام ہے!

اور اعلان یہ کہ 'میثاق' کے ناغوں کی کثرت اور دفتری نظام کی ابتری کے باعث خریداروں کے زرِ تعاون کا صحیح صحیح حساب ہمارے پاس موجود نہیں ہے۔ ہم اس پرچے سے 'میثاق' کے ایک بالکل نئے دور کا آغاز کر رہے ہیں۔ راقم کو یاد پڑتا ہے کہ وسط ۱۹۷۳ء تک تو 'میثاق' کی اشاعتوں کے ناغوں کی تلافی بعض مطبوعات انجمن کی ترسیل سے کی جا چکی تھی۔ سال کے نصف آخر میں جو کمی رہ گئی ہے ہمارا خیال ہے کہ وہ خریدار حضرات معاف فرما دیں۔ یا اگر اس پر خوشدلی سے آمادہ نہ ہوں تو از خود اندازہ کر کے اتنی مالیت کی مطبوعات طلب فرمالیں تاکہ ایک بار حساب صاف ہو جائے ——— ساتھ ہی احباب سے گزارش ہے کہ وہ اب ایک عزم تازہ کے ساتھ 'میثاق' کی حلقہ اشاعت کی توسیع کے لئے سعی کریں۔ جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں انشاء اللہ اب ہم ان کے لئے شرمندگی کا سبب نہیں بنیں گے ——— 'میثاق' کے تمام پرانے خریداروں کو بھی یہ پرچہ ارسال کیا جارہا ہے تاکہ وہ از سرِ نو اس کے حلقے میں شرکت کے بارے میں غور کر سکیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اعتذار

راقم کے قلم پر عرصے سے ایک گرہ لگی ہوئی تھی اور لکھنے پر طبیعت بالکل راغب نہ ہوتی تھی، اسی لئے اس مرتبہ بھی 'تذکرہ و تبصرہ' کے لئے صرف پہلی کاپی ہی رکھی گئی تھی۔ یہ معلوم نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اس عُقْدَۃً مِّنْ لِّسَانِیْ کو اس طرح یکبارگی کھول دے گا کہ ایک نہ آدھی پوری تین کاپیوں کا اضافہ کرنا ہوگا۔ بہر صورت اس اضافے کی صورت یہ کی گئی ہے کہ صفحات ۹۸/۱ تا ۲۴ ہیں لیکن انہیں پہلی کاپی کے متصل ہی جوڑ دیا گیا ہے تاکہ مضمون کا تسلسل قائم رہے۔ ممکن ہے کہ اس وجہ سے بعض قارئین کو کچھ کوفت ہو تو اس کے لئے راقم معذرت خواہ ہے

——— خاکسار اسرار احمد عفی عنہ

عظمتِ قرآن؟

ایک لمحۂ فکریہ

ڈاکٹر برہان احمد فاروقی ایم اے پی ایچ ڈی (علیگ)

صدر عالی قدر، علمائے عظام اور حاضرین کرام،

میری حیثیت ہرگز ایک عالم دین کی نہیں ہے۔ اس لئے میں قرآنی علم و ہدایت میں بصیرت رکھنے والے کی حیثیت سے مقام دعوت و ارشاد سے کچھ کہنے کے لئے حاضر نہیں ہوسکتا۔ میری حیثیت ایک طالب علم کی ہے اور میں چند گزارشات اکتساب علم و ہدایت کی غرض سے آپ کے سامنے پیش کرکے آپ کے علم و بصیرت سے مستفیض ہونے کے لئے کچھ مشکلات آپ کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں جو ہماری حیات ملی میں رکاوٹ بن گئی ہیں جن کی بنا پر ہم اپنی راہ اندھیروں میں ٹٹول رہے ہیں۔

ہماری پوری زندگی پہ ناامیدی چھائی ہوئی ہے اس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ پورا عالم اسلام اس وقت معاندین کی سازشوں کا شکار ہے اس کا ایک سبب یہ ہے کہ مطالعہ قرآن سے آرزو تو غلبہ حق کی پیدا ہوتی ہے اور مشاہدہ غلبہ باطل کا ہوتا ہے جس کا ایک اثر یہ ہے کہ ہم نے خدا کی ایک طاقت ایک نظام اور ایک قانون کا یقین کھو دیا ہے۔ ہم میں سے بعض توحید کے بجائے تثلیث کا شکار ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہمارا دین اسلام ہے، ہماری معیشت سوشلزم ہے اور ہماری سیاست جمہوریت ہے اور بعض توحید کے بجائے تنویت میں گرفتار ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہمارا دین اسلام ہے اور ہماری سیاست جمہوریت ہے اور کوئی نہیں کہتا کہ ہمارا سب کچھ اسلام ہے۔ یہ حالت اس کا نتیجہ ہے کہ ہم اپنی محکومی کے دور لادینیت (سیکولرزم) میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

ہماری عبادات رسوم و ظواہر میں تبدیل ہو چکی ہیں اور ہمارے عقائد اوہام سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے کیونکہ زندگی کا ہر تقاضا خواہ وہ معاشرتی ہو یا معاشی، سیاسی ہو یا ثقافتی، تعلیمی ہو

کا سہارا ہے تو قرآن مجید سے "جنگ در جنگ" کے ماحول کا مداوا تلاش کرکے ہی اس کی عظمت میں دوبارہ اعتماد بحال کیا جا سکتا ہے۔ اس صورت حال میں قرآنی عظمت آزمائی جا سکتی ہے اس سے کم تر کوئی عمل اس عظمت کے بارے میں اعتماد کو بحال نہیں کر سکتا۔ اگر اس کا علاج نہ کیا گیا، قرآنی ہدایت پر اعتماد کو بحال نہیں کیا جا سکتا۔ دینی اور لادینی حلقوں میں یہ اعتماد یکساں زائل ہوا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کبھی انسانی علوم قرآنی ہدایت کا بدل نہ بن سکتے تھے۔

کیا علم و ہدایت کے ایک ادنیٰ آرزومند کی حیثیت سے میں بانیان کانفرنس کی توجہ اس طرف مبذول کرانے میں کامیاب ہو سکوں گا؟

بین الاقوامی زندگی میں کش مکش کے رُخ کو اب تک کی اپنی کارگزاری اور کامیابی کا جائزہ لے کر فیصلہ کریں۔ سیاسی مغلوبیت کے دور میں جو پراگندہ خیالی مذہب بن گئی تھی اس کے سہارے اسلام اور مسلمان ہرگز آنے والے انقلاب کے حریف نہیں بن سکتے اور کسی انقلاب کو تمدنی نظام کو سہارا دینے والے فکر سے نہیں روکا جا سکتا۔ قرآنی طریق کار کے مطابق جوابی انقلاب سے روکا جا سکتا ہے اور انقلاب کو روکنے کی آرزو میں ہم اپنی طاقت کی احتیاج سے بے نیاز نہیں ہو سکتے۔

تاریخ انسانی میں اس کی مثال معدوم ہے کہ کوئی جماعت صرف مراسم پرستی کے سہارے بغیر سیرت و کردار کے کبھی بھی کامیاب ہو سکتی ہو اور کردار صرف اپنی پسند اور ناپسند پر اصرار کر سکنے کا نام ہے اور مقصود کو متعین کرکے ہی اسے حاصل کرنے کے طرز عمل کے صحیح یا غلط ہونے کا جائزہ لیا اور اسے بہتر بنایا جا سکتا ہے۔ ہمیں اپنا احتساب کرکے اپنی جدوجہد کے انداز میں تبدیلی پیدا کرنی ہی پڑے گی۔

کراچی میں
مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
کی جملہ مطبوعات بشمول ماہنامہ 'میثاق' کے لئے
دفتر انجمن خدام القرآن کراچی
۳۳/۲ فرید چیمبرز، سر عبداللہ ہارون روڈ (نزد ہوٹل جبیس)
سے رجوع فرمائیں : فون ۵۱۰۵۴۶

تدبّر قرآن
کے ایک قاری کا تأثّر

مولانا امین احسن اصلاحی کے نام ایک خط سے اقتباس

"محترم و مکرم جناب حضرت مولانا صاحب دام ظلکم السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ"
مجھ سے ایک صاحب نے تدبّر قرآن کا ذکر کیا تو میں نے اُن سے عاریتاً مانگ لی،
ابھی پہلی جلد زیرِ مطالعہ ہے۔

وہ فکر جو شکوک کے کانٹے نکال دے
اوہام کو یقین کے سانچے میں ڈھال دے

خداوند تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے، بہت کامیاب کوشش فرمائی ہے۔ میں نے اردو کی تقریباً سب تفاسیر دیکھی ہیں بس یہ وہ انفرادیت ہے کہ جس کا نہیں جواب!"

محمد زاہد M.A, BSC, BED, SET، گورنمنٹ جامعہ ہائی سکول، ڈیرہ غازی خاں

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا

مبادئ
تدبّر قرآن

از مولانا امین احسن اصلاحی

عمدہ سفید کاغذ پر آفسٹ کی طباعت میں

بڑے سائز یعنی ۱۸/۲۲/۸ کے ۲۰۰ صفحات پر مشتمل، مضبوط جلد اور دبیز آفسٹ پیپر کے خوشنما ڈسٹ کور کے ساتھ۔ قیمت -/۶ روپے علاوہ محصول ڈاک

مرکزی انجمن خدّام القرآن ۱۲۔ افغانی روڈ سمن آباد، لاہور

تدبر قرآن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ کہف

مکیّ ـــــ آیات ۱۱۰

۱: سورہ کا زمانہ نزول، اس کا عمود اور سابق سورہ سے اس کا تعلق۔

سورہ کا زمانۂ نزول اور عمود

سابق سورہ کی طرح یہ سورہ بھی آنحضرت صلعم کی مکی زندگی کے اس دور میں نازل ہوئی ہے جب حق و باطل کی کش مکش اپنے آخری مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔ قریش اپنے تمام حربوں کے ساتھ قرآن کی دعوت کو مٹا دینے پر تل گئے تھے اور یہود و نصاریٰ نے بھی، جیسا کہ ہم پیچھے اشارہ کر چکے ہیں، درپردہ قریش کی پیٹھ ٹھونکنی شروع کر دی تھی کہ انہی کے ہاتھوں یہ دعوت اپنے مرکز ہی میں ختم ہو جائے۔ اس سے نبرد آزما ہونے کے لئے خود انہیں میدان میں نہ اترنا پڑے۔

سورہ کے چند خاص پہلو

ان حالات کے تقاضے سے اس سورہ میں چند باتیں خاص طور پر نمایاں ہوئی ہیں۔

۱: قریش کو انذار و تنبیہ کہ وہ اپنی دنیوی کامیابیوں کے غرّے میں ایک بدیہی حقیقت کو جھٹلانے کی کوشش نہ کریں۔ اب عذاب الٰہی ان کے سروں پر منڈلا رہا ہے، اگر یہ اپنی اس رعونت سے باز نہ آئے تو وہ وقت دور نہیں ہے جب وہ اس عذاب کی زد میں آ جائیں گے۔

۲: آنحضرت صلعم اور آپ کے مظلوم صحابہ رضؓ کو صبر و عزیمت کی تلقین۔ آنے والے مراحل یعنی ہجرت وغیرہ کی طرف بعض لطیف اشارات، ان مراحل میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو جو غیبی فتوحات حاصل ہونے والی ہیں ان کی بشارت۔

۳: جس طرح سابق سورہ ـــــ بنی اسرائیل ـــــ میں یہود کے چہرے سے نقاب الٹ دی ہے اسی طرح اس سورہ اور اس کے بعد کی سورہ ـــــ سورہ مریم ـــــ میں نصاریٰ کے چہرے سے نقاب الٹ دی ہے اور مقصود اس نقاب کشائی سے قریش کو متنبہ کرنا ہے کہ جن کی اپنی کوئی

بنیاد نہیں ہے۔ اگر ان کی شہ پر خدا کی اس نعمت کی ناقدری کروگے جس سے اس نے تم کو سرفراز کرنا چاہا ہے تو یاد رکھو کہ پرائے شگون پر اپنی ناک کٹوا بیٹھو گے۔

۲: سورہ کے مطالب کا تجزیہ

مطالب کا تجزیہ

۱ — ۸　اب ہم بالاجمال سورہ کے مطالب کا تجزیہ بھی کئے دیتے ہیں تاکہ پوری سورہ بیک نظر نگاہ کے سامنے آجائے۔

آنحضرت صلعم کو تلقین صبر کہ تمہاری ذمہ داری صرف انذار و تبشیر ہے۔ اگر یہ منکر دین یا قرآن پر ایمان نہیں لا رہے ہیں تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اس کتاب میں کوئی کج پیچ ہے یا تمہاری دعوت و تبلیغ میں کوئی کسر ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ زخارف دنیا کی محبت میں اندھے ہو رہے ہیں تو تم ان کے پیچھے اپنے تئیں ہلکان نہ کرو۔ ایک وقت آنے والا ہے جب اس دنیا کے چہرے کا یہ مصنوعی غازہ اتر جائے گا اور یہ اپنے اصلی روپ میں نمایاں ہو جائے گی۔ اس وقت یہ بدبخت لوگ اپنے سر پیٹیں گے۔

۹ - ۲۶　اصحاب الکہف سے متعلق مخالفین کے اٹھائے ہوئے ایک سوال کا جواب جس سے اصحاب الکہف کی اصل زندگی، لاطائل تفصیلات سے بالکل پاک ہو کر، اس طرح سامنے آگئی ہے کہ اس کے آئینہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثار ساتھیوں کو گویا دکھا دیا گیا ہے کہ تم اس وقت دعوت حق کی راہ میں جس مرحلہ سے گزر رہے ہو یہ مرحلہ اصحاب کہف کو بھی پیش آچکا ہے۔ اگر تم بھی انہی کی طرح تمام خطرات کے علی الرغم، جادۂ حق پر استوار رہے تو اللہ تمہارے لئے بھی اسی طرح مشکلات کو آسان کرے گا جس طرح ان کے لئے آسان کیں۔ اور اسی طرح تمہارے لئے بھی پردۂ غیب سے اسباب و وسائل مہیا کرے گا جس طرح ان کے لئے مہیا فرمائے۔ اللہ اپنی راہ میں ثابت قدم رہنے والوں کو ضائع نہیں کرتا۔

۲۷ - ۳۱　نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو، دولت دنیا کے متوالوں سے بے نیاز ہو کر اپنے ان غریب و نادار ساتھیوں کی طرف متوجہ ہونے کی ہدایت جو اگرچہ دولت دنیا سے محروم تھے لیکن ایمان کی دولت سے مالا مال اور شب و روز اللہ کی یاد اور اس کے دین کی دعوت میں سرگرم تھے۔ اسی ذیل میں آپ کو منکروں کی حالت پر غم کھانے سے روک دیا گیا کہ اگر یہ لوگ ایمان نہیں لا رہے ہیں تو ان کو ان کے حال پر چھوڑو۔ یہ سنت الٰہی کی زد میں آئے ہوئے ہیں اور سنت الٰہی کو کوئی بدل نہیں سکتا۔

۳۲ - ۴۹ ایک تمثیل جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ جو لوگ اسی دنیا کی کامیابیوں کو اصل کامیابی سمجھے بیٹھے ہیں ان پر خدا اور آخرت کی یاد دہانی بڑی شاق گزرتی ہے - وہ اپنی انہی کامیابیوں کو اپنے برحق ہونے کی دلیل تصور کرتے ہیں - اس وجہ سے اگر کوئی اللہ کا بندہ ان کو خدا اور آخرت سے ڈراتا ہے تو وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ بتاؤ تمہارا حال اچھا ہے یا ہمارا؟ اگر ہمارا حال اچھا ہے اور بالبداہت اچھا ہے تو ہم یہ کیوں نہ باور کریں کہ ہماری ہی زندگی اور ہمارا ہی عقیدہ و عمل بھی صحیح ہے - اس ذہن کے لوگ یہ باور کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے کہ جو جاہ و اقبال ان کو آج حاصل ہے اس پر کبھی زوال بھی آ سکتا ہے - وہ قیامت کو ایک بہت بعید از امکان چیز سمجھتے ہیں اور اگر ایک مفروضہ کے درجے میں اس کو مانتے بھی ہیں تو اپنی زندگی کی موجودہ کامرانیوں کو دلیل بنا کر یہ گمان کر لیتے ہیں کہ اگر ہم کو خدا کے پاس جانا ہی پڑا، جیسا کہ یہ سر پھرے مسلمان ڈراتے ہیں تو وہاں بھی ہم کو اس سے بہتر مرتبہ و مقام حاصل ہو گا۔ اس تمثیل کے پیش کرنے سے مقصود آنحضرت صلعم پر یہ واضح کرنا ہے کہ آج بعینہٖ اسی طرح کے مغروروں سے تمہیں سابقہ ہے یہ لوگ تمہاری بات سننے والے نہیں ہیں - ان کی آنکھیں اس وقت کھلیں گی جب برق خرمن سوز ان کے سارے خرمن کو خاکستر کر کے رکھ دے گی سو تم اس دنیا اور اس کی اس زندگی کی جس پر یہ ریجھے ہوئے ہیں، حقیقت ایک تمثیل سے سمجھا دو کہ یہ دنیا اور اس کی ساری رونقیں اور بہاریں چند روزہ ہیں - ان میں سے کوئی چیز بھی ساتھ جانے والی نہیں ہے - ساتھ صرف نیک اعمال جائیں گے تو جن کو جمع کرنا ہو یہ سرمایہ جمع کرنے کی فکر کرے -

۵۰ - ۵۹ آدم اور ابلیس کی سرگزشت کی یاد دہانی جس سے مقصود قریش کے مغروروں کو ان کی بدبختی پر متنبہ کرنا ہے کہ انہوں نے اپنی شامت اعمال سے ابلیس اور اس کی ذریات کو اپنا دوست اور کارساز بنا رکھا ہے درآنحالیکہ اولاد آدمؑ کے ساتھ ان کی دشمنی کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں ہے - اسی ضمن میں ان کی اس شامت زدگی پر بھی افسوس کیا ہے کہ اللہ نے تو ان پر عظیم فضل فرمایا کہ ان کی ہدایت کے لئے ایک ایسی کتاب اتاری جو ہر حقیقت کو گوناگوں پہلوؤں سے واضح کر دینے والی ہے لیکن یہ اس کو قبول کرنے کے بجائے اس بات پر اڑے ہوئے ہیں کہ ان کو وہ عذاب دکھا دیا جائے جس سے قرآن ان کو ڈرا رہا ہے - جب تک یہ عذاب ان کو نہ دکھایا جائے گا اس وقت تک وہ اس پر ایمان لانے والے نہیں ہیں - اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے وہ رحمت میں سبقت کرتا ہے عذاب میں جلدی نہیں کرتا - لیکن یہ شامت کے مارے لوگ عذاب کے لئے جلدی مچاتے ہوئے ہیں -

۹۰ - ۸۲ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک تربیتی سفر کی سرگزشت۔ یہ سفر اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے تحت انہوں نے اس لئے کیا کہ بندۂ خاص کے ذریعے سے وہ اس کائنات کے اس رمز سے اچھی طرح آگاہ ہو جائیں کہ اس دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ ارادہ الٰہی کے تحت ہوتا ہے اور ارادۂ الٰہی سرتا سر خیر و برکت پر مبنی ہوتا ہے۔ اس دنیا میں بظاہر سرکشوں اور نافرمانوں کو ڈھیل ملتی ہے اور اہل حق مختلف قسم کی آزمائشوں اور تکلیفوں میں مبتلا کئے جاتے ہیں۔ یہ صورت حال بہتوں کے ایمان کو متزلزل کر دیتی ہے اور جادۂ حق پر استوار و ثابت قدم رہنا ان کے لئے نہایت ابتلا کا کام بن جاتا ہے۔ اس ابتلا میں ثابت قدم صرف وہی لوگ رہتے ہیں جن پر یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو کہ اس دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے سب ارادہ الٰہی کے تحت ہو رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ہر ارادہ حکمت پر مبنی ہوتا ہے لیکن انسان کا محدود علم اللہ تعالیٰ کی حکمتوں اور مصلحتوں کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ اس وجہ سے اس کے لئے صحیح رویہ یہ ہے کہ راہ حق میں اس کو جو ناموافق و نامساعد حالات بھی پیش آئیں، ان سے دل شکستہ و مایوس نہ ہو بلکہ پورے عزم و جزم کے ساتھ موقف حق پر ڈٹا رہے اور حکمت الٰہی کے ظہور کا انتظار کرے اور امید رکھے کہ اگر اس دنیا میں نہیں تو آخرت میں اس کا ظہور ہو کے رہے گا۔ یہی حکمت صبر کی، جس پر سارا دین قائم ہے، اساس و بنیاد ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے جب حضرت موسیٰؑ کو ایک عظیم مہم کے لئے انتخاب فرمایا تو ان کو صبر کی تربیت کے لئے اپنے ایک خاص بندے کے پاس بھیجا اس لئے کہ یہ چیز صرف جاننے کی ہی نہیں بلکہ تربیت کی بھی محتاج تھی۔ بعینہٖ اسی مقصد سے یہ سرگزشت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے واسطہ سے آپ کے اس دور کے ساتھیوں کو سنائی گئی ہے کہ باغیوں اور نافرمانوں کو جو دندناتے دیکھ رہے ہو اور تم حق پر ہوتے ان کے مظالم کے جو ہدف بنے ہوئے ہو، اس سے ہراساں اور مرعوب نہ ہونا۔ اس دنیا میں اگر مسکینوں کی کشتی میں چھید کیا جاتا ہے تو اس میں بھی حکمت خیر ہوتی ہے اور اگر ظالموں کی کسی بستی میں ، کسی گرتی دیوار کو سہارا دیا جاتا ہے تو اس میں بھی خیر ہی مضمر ہوتا ہے لیکن انسان کا محدود علم خدا کے سارے اسرار کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

۸۳ - ۱۰۱ ایک سوال کی تقریب سے ایک سلطان عادل —— ذوالقرنین —— کا ذکر جس سے مقصود قریش کے ان متمردین اور سرکشوں کو عبرت دلانا ہے جو پیغمبر کے انذار کو مذاق اور اپنے اقتدار کو لازوال سمجھتے تھے۔ ان کے سامنے خود انہی کے سوال پر یہ واضح فرمایا کہ ایک بندہ مومن ذوالقرنین تھے جن کا حال یہ تھا کہ مشرق و مغرب کو فتح کر لینے کے بعد بھی وہ ہر کامیابی کو اللہ کا انعام اور

اس کا فضل سمجھتے تھے اور ہر قدم اس کی مرضی کے مطابق اٹھاتے تھے اور ایک تم ہو کہ ذرا سا اقتدار جو مل گیا ہے تو اس کے نشہ میں خدا اور آخرت سب کا مذاق اڑانے لگے ہو۔

۱۰۲ - ۱۱۰ خاتمہ سورہ جس میں اسی تہدید و انذار کے مضمون کا پھر اعادہ ہے جس سے سورہ کا آغاز ہوا تھا گویا آخر میں ایک نئے اسلوب سے اسی حقیقت کی پھر یاد دہانی فرما دی جو سورہ کا عمود ہے۔ ساتھ ہی ان لوگوں کا جواب بھی دے دیا جو قرآن کی پر حکمت باتوں کا مذاق اڑاتے اور کسی حسی معجزہ کا مطالبہ کر رہے تھے۔ فرمایا کہ اگر دیکھنے والی آنکھیں ہوں تو آفاق و انفس میں خدا کی اتنی نشانیاں ہیں کہ ان کو قلم بند کرنے کے لئے اگر سمندر روشنائی بن جائیں جب بھی ان کو قلم بند نہیں کیا جا سکتا۔ آخر میں پیغمبر صلعم کی زبان سے اعلان کرا دیا کہ معجزے اور نشانیاں دکھانا خدا کا کام ہے، میں تو تمہاری ہی طرح خدا کا ایک بندہ ہوں، تمہیں وہی سناتا ہوں جس کی مجھے وحی کی جاتی ہے۔

سورہ کے مطالب کا یہ اجمالی تجزیہ اس کے نظام اور عمود کو واضح کر دینے کے لئے کافی ہے۔
اب ہم اپنے طریقہ کے مطابق اللہ کا نام لے کر سورہ کی تفسیر شروع کرتے ہیں۔ وما توفیقی الا باللہ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آیات ۱-۸
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّہٗ
عِوَجًا ۝۱ قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْہُ وَیُبَشِّرَ
الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَہُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۝۲
مّٰاکِثِیْنَ فِیْہِ اَبَدًا ۝۳ وَّیُنْذِرَ الَّذِیْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا ۝۴
مَا لَہُمْ بِہٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِہِمْ کَبُرَتْ کَلِمَۃً تَخْرُجُ مِنْ
اَفْوَاہِہِمْ اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا کَذِبًا ۝۵ فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ
عَلٰٓی اٰثَارِہِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِہٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا ۝۶ اِنَّا جَعَلْنَا
مَا عَلَی الْاَرْضِ زِیْنَۃً لَّہَا لِنَبْلُوَہُمْ اَیُّہُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝۷ وَاِنَّا
لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَیْہَا صَعِیْدًا جُرُزًا ۝۸

ترجمۂ آیات ۱-۸
شکر کا سزاوار ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندے پر کتاب اتاری اور اس میں اس نے کوئی کج پیچ نہیں رکھا۔ بلکہ ہموار و استوار تاکہ وہ اپنی جانب سے جھٹلانے والوں کو ایک سخت عذاب سے آگاہ کر دے اور ایمان لانے والوں کو، جو نیک اعمال کر

رہے ہیں، اس بات کی خوشخبری سنا دے کہ ان کے لئے بہت اچھا اجر ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور ان لوگوں کو جو کہتے ہیں کہ خدا نے اولاد بنائی ہوئی ہے آگاہ کر دے، ان کو اس باب میں کوئی علم نہیں ہے، نہ ان کو نہ ان کے آباء و اجداد کو، نہایت ہی سنگین بات ہے جو ان کے مونہوں سے نکل رہی ہے۔ یہ محض جھوٹ ہے جو وہ بک رہے ہیں ۱-۵

تو شاید تم ان کے پیچھے اپنے تئیں غم سے ہلاک کرکے رہو گے اگر وہ اس بات پر ایمان نہ لائے۔ روئے زمین پر جو کچھ ہے ہم نے اس کو زمین کے لئے سنگار بنایا ہے تاکہ ہم لوگوں کا امتحان کریں کہ ان میں اچھے عمل کرنے والا کون بنتا ہے اور ہم بالآخر اس پر جو کچھ ہے سب کو چٹیل میدان کرکے رہیں گے۔ ۶-۸

۱- آیات کی تاویل و توضیح

آیات کی توضیح و تاویل

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ ۔ سابق سورہ ۔ بنی اسرائیل ۔ جس مضمون پر ختم ہوئی تھی (ملاحظہ ہوں آیات ۱۰۵-۱۱۱) اسی مضمون سے اس سورہ کا آغاز فرمایا۔ قرآن کی صورت میں جو نعمت عظمیٰ اہل عرب پر نازل ہوئی تھی یہ اس کے حق کا اظہار ہے کہ یہ نعمت شکر کی موجب ہونی چاہیئے نہ کہ کفر کی۔ بدقسمت ہیں وہ لوگ جو اس کی ناقدری کریں اور اس کی تکذیب کے لئے نت نئے بہانے تلاش کریں۔

قرآن کی صفت

وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۔ قَيِّمًا : یہ اس کتاب کی صفت ہے کہ اس کتاب میں خدا نے کوئی کج پیچ نہیں رکھا ہے۔ نہ بیان کے اعتبار سے نہ معنی کے اعتبار سے۔ زبان اس کی عربی مبین ہے۔ اور رہنمائی اس کی اس صراط مستقیم کی طرف ہے جس کے مستقیم ہونے کے دلائل عقل و فطرت اور آفاق و انفس کے ہر گوشے میں موجود ہیں اور قرآن نے ان کو اتنے گوناگوں طریقوں سے بیان کر دیا ہے کہ کوئی عقل سے کام لینے والا ان کے سمجھنے سے قاصر نہیں رہ سکتا۔ صرف وہی اس سے محروم رہے ہیں جو اپنی عقل سے کام نہیں لیتے۔ قرآن کی یہی صفت سورہ بنی اسرائیل میں بیان ہوئی ہے۔ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ (بے شک یہ قرآن اس راستہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو سیدھا ہے)

قرآن کا مقصد

لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ : یہ اس کتاب کے

نازل کرنے کا مقصد بیان ہوا ہے کہ یہ انکار کرنے والوں کے لئے انذار اور ایمان لانے والوں کے لئے بشارت ہے پہلے ٹکڑے میں 'لِلْکَافِرِیْنَ' یا 'لِلْمُکَذِّبِیْنَ' کا لفظ محذوف ہے اس لئے کہ آگے والے ٹکڑے میں 'مُؤْمِنِیْنَ' کا لفظ موجود ہے جو تقابل کے اصول پر اس محذوف کو خود واضح کر رہا ہے۔

فعل 'یُنْذِرَ' کا فاعل اللہ بھی ہو سکتا ہے اور 'عبد' یعنی رسول بھی۔ پہلی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اللہ نے یہ کتاب خاص اپنے پاس سے اس لئے اتاری ہے کہ کافروں کو ایک عذاب شدید سے آگاہ و ہوشیار کر دے۔

دوسری صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اللہ کا رسول لوگوں کو خدا کی طرف سے نازل ہونے والے عذاب شدید سے متنبہ کر دے۔

پہلی صورت میں 'مِنْ لَّدُنْہُ' کا لفظ اہتمام و عنایت پر دلیل ہوگا کہ اس مقصد کے لئے خدا نے خاص اپنے پاس سے اور اپنی نگرانی میں انتظام فرمایا۔ دوسری صورت میں اس سے عذاب کی شدت کا اظہار ہوگا کہ یہ عذاب کوئی ایسا ویسا عذاب نہیں ہوگا بلکہ قہر الٰہی ہوگا جس کو دفع کرنے والا کوئی نہیں بن سکے گا۔

مَاکِثِیْنَ فِیْہِ اَبَدًا' اس 'اجر حسن' میں ہمیشہ رہیں گے یعنی اس بہشت میں ہمیشہ رہیں گے جو اس 'اجر حسن' کے ثمرہ اور نتیجہ کے طور پر حاصل ہوگی۔ شے کو بول کر اس سے اس کے نتیجہ کو مراد لینا عربیت کا ایک معروف اسلوب ہے جس کی مثالیں اس کتاب میں پیچھے بھی گزر چکی ہیں اور آگے بھی آئیں گی۔

وَیُنْذِرَ الَّذِیْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا' یہ عام کے بعد خاص کا ذکر ہے، یعنی خاص طور پر ان لوگوں کو آگاہ کر دے جو خدا کے لئے اولاد فرض کر کے ان کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں اور ان کی شفاعت کے اعتماد پر خدا سے بالکل مستغنی ہو بیٹھے ہیں۔ اس سے مراد مشرکین عرب بھی ہیں اور نصاریٰ بھی۔ مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اور نصاریٰ حضرت مسیحؑ کو خدا کا بیٹا بنائے ہوئے تھے۔

مشرکین کی اولاد کی تنقید

مَا لَھُمْ بِہٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِھِمْ کَبُرَتْ کَلِمَۃً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاھِھِمْ اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا کَذِبًا' علم سے مراد یہاں دلیل و برہان ہے۔ یعنی جن لوگوں نے خدا کے بیٹے بیٹیاں فرض کر کے ان کو خدا کا شریک بنا رکھا ہے انہوں نے یہ افسانہ محض اپنے جی سے گھڑا ہے، نہ خدا

نے کہیں یہ بات کہی ہے اور نہ ان بوالفضولوں کے پاس اس کی کوئی دلیل ہے۔ یہ اپنے جن آبا و اجداد کی تقلید میں یہ حماقت کر رہے ہیں ان کے پاس بھی اس کی کوئی دلیل نہیں تھی۔ انہوں نے بھی محض جہالت سے یہ ضلالت اختیار کی اور یہ بھی جہالت ہی سے ان کی لکیر کو پیٹ رہے ہیں۔ فرمایا کہ یہ بڑی ہی سنگین بات ہے جو ان کے مونہوں سے نکل رہی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ پر تہمت اور بہتان اور اس کی عزت کو ایک چیلنج ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر یہ اپنی گستاخی سے باز نہ آئے تو عنقریب اپنا حشر دیکھیں گے۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَىٰٓ اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا

آنحضرت صلعم کو تسلی

یہ آنحضرت صلعم کو تسلی دی گئی ہے اور تسلی دینے کا انداز بہت پیارا ہے۔ فرمایا کہ تم تو ان کے ایمان کے غم سے اس طرح گھلے جا رہے ہو کہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہ اس کتاب پر ایمان نہ لائے تو ان کے پیچھے اپنے آپ کو ہلاک کرکے رہو گے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم کو اپنے فرض رسالت کی ادائیگی کا احساس کتنا شدید تھا۔ آپ قرآن کی دعوت کے لئے اپنے رات دن ایک کئے ہوتے تھے۔ لیکن پھر بھی آپ کو یہ غم کھائے جا رہا تھا کہ لوگ جو ایمان نہیں لا رہے ہیں تو مبادا اس میں آپ کی کسی کوتاہی کو دخل ہو۔ اس احساس کے تحت آپ کی مشقت اور آپ کے غم دونوں میں برابر اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو نہایت پُر محبت انداز میں ٹوکا کہ اپنی ذمہ داری کے احساس میں اس درجہ غلو صحیح نہیں ہے۔ یہ ناشکرے اور ناقدرے لوگ جو اس کتاب پر ایمان نہیں لا رہے ہیں تو یہ نہ سمجھو کہ اس کتاب کے سمجھنے میں ان کو کوئی دشواری پیش آ رہی ہے یا تمہاری طرف سے فرض دعوت کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی ہو رہی ہے بلکہ اس کا اصل سبب کچھ اور ہے۔

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۔ یہ ان کے

منکرین کے انکار کا اصل سبب

اعراض و انکار کے اصل سبب سے پردہ اٹھایا ہے۔ فرمایا کہ یہ دنیا دارالامتحان ہے۔ اس میں ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ کون اپنی عقل و تمیز سے کام لے کر آخرت کا طالب ہوتا ہے اور کون اپنی خواہشوں کے پیچھے لگ کر اسی دنیا کا پرستار بن کر رہ جاتا ہے۔ اس امتحان کے تقاضے سے ہم نے اس دنیا کے چہرے پر حسن و زیبائی کا ایک پر فریب غازہ مل دیا ہے۔ اس کے مال و اولاد، اس کے کھیتوں اور کھلیانوں، اس کے باغوں اور چمنوں، اس کی کاروں اور کوٹھیوں، اس کے محلوں اور ایوانوں، اس کی صدارتوں اور وزارتوں میں بڑی کشش اور دل فریبی ہے۔ اس کی لذتیں نقد اور عاجل اور اس کی تلخیاں پس پردہ ہیں۔ اس کے مقابل میں آخرت کی تمام کامرانیاں نسیہ ہیں اور اس کے طالبوں کو اس کی خاطر بے شمار جانکاہ مصیبتیں نقد نقد اسی دنیا میں جھیلنی پڑتی ہیں۔ یہ امتحان ایک سخت امتحان ہے۔

اس میں پورا اترنا ہر بوالہوس کا کام نہیں ہے۔ اس میں پورے وہی اتریں گے جن کی بصیرت اتنی گہری ہو کہ خواہ یہ دنیا ان کے سامنے کتنی ہی عشوہ گری کرے لیکن وہ اس عجوزۂ ہزار داماد کو اس کے ہر بھیس میں تاڑ جائیں اور کبھی اس کے عشق میں پھنس کر آخرت کے ابدی انعام کو قربان کرنے پر تیار نہ ہوں۔ رہے وہ لوگ جنھوں نے اپنی عقل و دل کی آنکھیں اندھی کرلی ہیں اور اپنی خواہشوں کے پرستار بن کے رہ گئے ہیں وہ اس نقد کو آخرت کے نسیہ کے لئے قربان کرنے پر تیار نہیں ہو سکتے اگرچہ ان کے حق ہونے پر اس کائنات کا ذرہ ذرہ گواہ ہے۔

اسی دنیا کا انجام

وَ اِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَیْهَا صَعِیْدًا جُرُزًا ، 'جُرُز' بے آب و گیاہ زمین کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ بے وقوف لوگ اس زمین کی جن چیزوں پر ریجھے ہوتے ہیں ایک وقت آتے گا کہ ہم ان ساری چیزوں کو مٹا کر چٹیل اور بے آب و گیاہ میدان کی طرح کر دیں گے۔ یہی مضمون آگے آیات ۴۶-۴۸ میں آرہا ہے وہاں انشاء اللہ اس کی مزید تفصیل ہوگی۔

۲۔ آگے کا مضمون۔ آیات ۹-۲۶

آگے کا مضمون آیات ۹-۲۶ — اہل کتاب کے القا کئے ہوئے سوالات

قریش جس انداز سے قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کر رہے تھے اس کا ذکر اوپر کی آیات میں گزرا۔ اسی مخالفت کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ اس دور میں آنحضرت صلعم کو زچ کرنے کے لئے اہل کتاب جو مختلف قسم کے اینڈے بینڈے سوالات القا کرتے قریش ان کو بھی اٹھاتے اور آپ سے ان کے جواب کا مطالبہ کرتے۔ روح کے متعلق، ذوالقرنین کے متعلق اور اسی نوع کے بعض دوسرے سوالات جن کا قرآن نے حوالہ دیا ہے، اہل کتاب کے اٹھائے ہوئے سوالات تھے۔ اسی نوع کا ایک سوال اصحاب کہف سے متعلق اہل کتاب نے اٹھایا اور ان کی انگیخت سے قریش نے اس سوال کو آنحضرت صلعم کے سامنے پیش کیا۔ یہ بیر متعلق سوالات ظاہر ہے کہ حصول علم اور تحقیق حق کے مقصد سے پیش نہیں کئے جاتے تھے بلکہ صرف آنحضرت صلعم کو تنگ کرنے کے لئے پیش کئے جاتے اور مقصد ان کے پیش کرنے سے مخالفین کا صرف یہ ہوتا کہ اگر آپ نے کوئی جواب نہ دیا تو اس جواب نہ دینے کو مخالفت کا بہانہ بنائیں گے کہ یہ دیکھو نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن ہمارے اس سوال کا جواب نہ دے سکے اور اگر جواب دیا اور اس کی کوئی بات اپنے مزعومات کے خلاف ہوئی تو اس کو مخالفت کا بہانہ بنائیں گے کہ دیکھو یہ شخص کیا بے پر کی اڑا رہا ہے، اصل بات تو یوں ہے اور یہ اس کے برعکس یوں کہہ رہا ہے۔

قصۂ اصحابِ کہف کے بیان کرنے کی غرض و غایت

یہ بات کہ اصحاب کہف کا قصہ یہاں مخالفین کے سوال کے جواب میں زیر بحث آیا ہے خود قرآن سے واضح ہے۔ آگے آیات ۲۲-۲۶ میں یہ بات تصریح سے آئے گی کہ قرآن نے اس قصہ سے تعرض سوال کے جواب میں کیا ہے۔ اس قسم کے سوالوں کے جواب کے باب میں قرآن نے جو رویہ اختیار کرنے کی تلقین کی ہے وہ تو جیسا کہ آگے واضح ہوگا، یہ ہے کہ ان سے تعرض ہی نہ کیا جائے بلکہ ان کو ٹال دیا جائے۔ لیکن کوئی سوال اگر مفید ہوا ہے یا اس کے جواب کو کسی مفید تعلیم کا ذریعہ بنایا جا سکتا ہے تو قرآن نے اس کا بقدر ضرورت جواب دے دیا ہے۔ اصحاب کہف کی زندگی چونکہ آنحضرت صلعم اور آپ کے صحابہؓ کے لئے دعوت کے اس پر آزمائش دور میں نہایت سبق آموز ہو سکتی تھی اس لئے کہ آپ اور آپ کے صحابہؓ انہی مراحل سے گزر رہے تھے جن مراحل سے اصحاب کہف گزرے تھے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی سرگزشت کا اتنا حصہ سنا دیا جتنا حق تھا۔ اس طرح گویا سوال کرنے والوں کے سوال کا جواب بھی ہوگیا، ماضی کی ایک پاکیزہ سرگزشت سے پیغمبرؐ اور صحابہؓ کو صبر و عزیمت کی تعلیم بھی مل گئی اور اہل حق کی تاریخ کا ایک نہایت اہم باب جو افسانوں کے حجاب میں گم تھا، ہر قسم کے گرد و غبار سے بالکل پاک صاف ہو کر از سر نو سامنے آگیا۔

اصحاب کہف کون تھے؟

اصحاب کہف کون تھے؟ ان کا تعلق تاریخ کے کس دور سے ہے اور یہ کن کے اسلاف میں سے ہیں؟ ان سوالوں کا کوئی قطعی جواب دینا نہایت مشکل ہے۔ ان کے باب میں قطعیت کے ساتھ جو بات کہی جا سکتی ہے وہ اتنی ہی ہے جتنی قرآن نے بیان کر دی ہے۔ باقی جو کچھ ہے اس کی حیثیت محض افسانہ کی ہے۔ قرآن نے ان کی سرگزشت کا صحیح اور سبق آموز حصہ بیان کر کے ان کے باب میں مزید کھوج کرید کرنے سے، جیسا کہ آگے معلوم ہوگا، منع کر دیا ہے۔ اس وجہ سے ہم ایک ایسی چیز کے درپے ہونا پسند نہیں کرتے جس سے قرآن نے روکا ہے۔ البتہ قیاسات و قرائن سے اتنی بات ضرور معلوم ہوتی ہے کہ ان لوگوں کا تعلق قریش یا یہود کی تاریخ سے نہیں ہے بلکہ نصاریٰ کی تاریخ سے ہے۔ ان کے ہاں ایسی روایات ملتی ہیں جو اصحاب کہف کے واقعہ سے مشابہت رکھتی ہیں۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ نصاریٰ اپنی تاریخ کے ابتدائی دور میں جب دین کی خاطر رومیوں کے ہاتھوں ستائے گئے ہیں اسی دور میں اصحاب کہف نے دعوت حق کی راہ میں وہ بازی کھیلی ہے جس کا قرآن نے ذکر کیا ہے۔ ان لوگوں نے توحید اور آخرت کی دعوت دی اور پوری بے خوفی سے دعوت دی یہاں تک کہ ان کا پورا ماحول ان کا دشمن بن کر اٹھ کھڑا ہوا اور خطرہ پیدا ہو گیا کہ مخالفین ان کو سنگسار کر دیں گے۔ جب معاملہ اس حد کو پہنچ گیا تو ان لوگوں نے ایک غار میں پناہ لی اور اللہ تعالیٰ نے اس غار میں

ان کی حفاظت کے لئے وہ سامان بہم پہنچائے جو صرف اللہ ہی بہم پہنچا سکتا تھا۔ بعد میں جب ان لوگوں کے حالات لوگوں کے علم میں آئے اور خدا کی تائید و نصرت کی جو نشانیں ان کے لئے ظاہر ہوئیں ان کا چرچا ہوا تو ان کی یادگاریں قائم ہوئیں اور ہر گروہ ان کے ساتھ اپنی نسبت کا دعویٰ کرنے لگا۔ اس طرح نصاریٰ میں ایک مقدس روایت کی حیثیت سے ان کا ذکر باقی رہا، لیکن یہ ذکر آہستہ آہستہ بس چند کرامتوں اور چند لاطائل بحثوں تک محدود رہ گیا۔ ان کی زندگی کا اصل کارنامہ نگاہوں سے بالکل اوجھل ہو گیا۔ اس سوال پر تو ان کے ہاں مناظرے ہونے کہ ان کی تعداد کیا تھی؟ ان کا کتا تین کا چوتھا تھا یا پانچ کا چھٹا لیکن یہ خبر کسی کو نہ تھی کہ ان کی دعوت کیا تھی اور اس دعوت کی راہ میں انہوں نے کیا قربانیاں دیں۔ اور یہ بحثیں بھی غالباً اسی زمانہ تک باقی رہیں جب تک اصل نصرانیت کے کچھ بقایا موجود تھے۔ بعد میں جب پال نے نصرانیت کا حلیہ بالکل بگاڑ ڈالا تو نصاریٰ کے اصل اخلاف کی تمام روایتیں بھی پردہ خفا میں چھپ گئیں۔ عرب کے نصاریٰ میں معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی کچھ روایات باقی تھیں لیکن بالکل مسخ ہو کر۔ ہمارا خیال ہے کہ انہی نصاریٰ کی شہ سے یہ سوال آنحضرت صلعم کے سامنے لایا گیا اور قرآن نے اس لئے اس کا جواب دیا کہ اس جواب سے دعوت کے اس پر آشوب دور میں، جیسا کہ ہم نے عرض کیا، آنحضرت صلعم اور آپ کے صحابہؓ کو بڑی تقویت حاصل ہو سکتی تھی، اس لئے کہ جس طرح اصحاب کہف اپنے احوال میں ہدف مظالم دینے تھے اسی طرح آنحضرت صلعم اور آپ کے صحابہؓ بھی قریش کے مظالم کے ہدف تھے اور جس طرح اصحاب کہف کو غار میں پناہ لینی پڑی اسی طرح آپؐ اور آپؐ کے صحابہؓ کے سامنے بھی ہجرت حبشہ، غار ثور اور ہجرت مدینہ کے مراحل آنے والے تھے ـــــ اب اس روشنی میں آگے کی آیات کی تلاوت کیجئے۔

آیات ۹ - ۲۶

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝
اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ
رَحْمَةً وَّ هَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۝ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ
فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ۝ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ
الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ۝ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ
بِالْحَقِّ ۭ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ۝
وَّرَبَطْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ

وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ﴿۱۴﴾
هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ لَوْلَا يَاْتُوْنَ
عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۢ بَيِّنٍ ؕ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ
كَذِبًا ﴿۱۵﴾ وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا
اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ
اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ﴿۱۶﴾ وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ
كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ
وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ
فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿۱۷﴾
وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ
وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ؕ لَوِ
اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ
رُعْبًا ﴿۱۸﴾ وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ؕ قَالَ
قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ؕ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ
قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ؕ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ
هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ
مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ﴿۱۹﴾ اِنَّهُمْ اِنْ
يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ
تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿۲۰﴾ وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا
اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَا
زَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ؕ رَبُّهُمْ
اَعْلَمُ بِهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ
عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿۲۱﴾ سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ
وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًۢا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ
سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ؕ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا

يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ ۚ فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرَاءً ظَاهِرًا وَلَا
تَسْتَفْتِ فِيهِمْ مِنْهُمْ أَحَدًا ﴿٢٢﴾ وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي
فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا ﴿٢٣﴾ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۚ وَاذْكُرْ رَبَّكَ إِذَا
نَسِيتَ وَقُلْ عَسَىٰ أَنْ يَهْدِيَنِ رَبِّي لِأَقْرَبَ مِنْ هَٰذَا رَشَدًا ﴿٢٤﴾
وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا ﴿٢٥﴾ قُلِ
اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوا ۖ لَهُ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ أَبْصِرْ
بِهِ وَأَسْمِعْ ۚ مَا لَهُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا يُشْرِكُ فِي
حُكْمِهِ أَحَدًا ﴿٢٦﴾

کیا تم نے کہف و رقیم والوں کو ہماری نشانیوں میں سے کچھ بہت عجیب خیال کیا! جب کہ کچھ نوجوانوں نے غار میں پناہ لی اور دعا کی کہ اے ہمارے رب ہمارے اس معاملے میں ہمارے لئے رہنمائی کا سامان فرما، تو ہم نے غار میں ان کے کانوں پر کئی برس کے لئے تھپک دیا، پھر ہم نے ان کو بیدار کیا کہ دیکھیں دونوں گروہوں میں سے کون مدت قیام کو زیادہ صحیح شمار میں رکھنے والا نکلتا ہے ۹-۱۲

ہم تمہیں ان کی سرگزشت ٹھیک ٹھیک سناتے ہیں۔ یہ کچھ نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کی ہدایت میں مزید افزونی عطا فرمائی اور ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط کیا جب کہ وہ اٹھے اور کہا کہ ہمارا رب وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے، ہم اس کے سوا کسی اور معبود کو ہرگز نہیں پکاریں گے۔ اگر ہم نے ایسا کیا تو ہم یہ حق سے نہایت ہی ہٹی ہوئی بات کہیں گے۔ یہ ہماری قوم کے لوگوں نے اس کے سوا کچھ دوسرے معبود بنا رکھے ہیں، یہ ان کے حق میں واضح دلیل کیوں نہیں پیش کرتے! تو ان سے بڑا ظالم کون ہوگا جو خدا پر جھوٹ باندھیں۔ ۱۳-۱۵

اور اب کہ تم ان کو اور ان کے معبودوں کو، جن کو وہ خدا کے سوا پوجتے ہیں، چھوڑ کر الگ ہو گئے ہو تو غار میں پناہ لو، تمہارا رب تمہارے لئے اپنا دامن رحمت پھیلائے گا اور تمہارے اس مرحلہ میں تمہاری احتیاج مہیا فرمائے گا۔ ۱۶

اور تم دیکھتے سورج کو کہ جب طلوع ہوتا ہے تو ان کے غار سے داہنی جانب کو بچا رہتا ہے اور جب ڈوبتا ہے تو ان سے بائیں طرف کو کترا جاتا ہے اور وہ اس کے

صحن میں ہیں۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔ جس کو اللہ ہدایت دے وہی راہ یاب ہوتا ہے اور جس کو وہ گمراہ کر دے تو تم اس کے لئے کوئی دست گیری کرنے والا اور رہنمائی کرنے والا نہیں پا سکتے۔ ۱۷

اور تم ان کو جاگتا گمان کرتے حالانکہ وہ سو رہے ہوتے اور ہم ان کو داہنے بائیں کروٹیں بھی بدلواتے اور ان کا کتا دونوں ہاتھ پھیلائے دہلیز پہ ہوتا۔ اگر تمہاری نظر ان پر پڑ جاتی تو تم وہاں سے الٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہوتے اور تمہارے اندر ان کی دہشت سما جاتی۔ ۱۸

اور اسی طرح ہم نے ان کو جگایا کہ وہ آپس میں پوچھ گچھ کریں۔ ان میں سے ایک پوچھنے والے نے پوچھا، تم یہاں کتنا ٹھہرے ہوگے؟ وہ بولے ہم ایک دن یا ایک دن سے بھی کم ٹھہرے ہوں گے۔ بولے تمہاری مدت قیام کو تمہارا رب ہی بہتر جانتا ہے۔ پس اپنے میں سے کسی کو اپنی یہ رقم دے کر شہر بھیجو تو وہ اچھی طرح دیکھ لے کہ شہر کے کس حصہ میں پاکیزہ کھانا ملتا ہے اور وہاں سے تمہارے لئے کچھ کھانا لائے اور چاہیئے کہ وہ دبے پاؤں جائے اور کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے دے۔ اگر وہ تمہاری خبر پا جائیں گے تو تمہیں سنگسار کر دیں گے یا تمہیں اپنی ملت میں لوٹا لیں گے اور پھر تم کبھی فلاح نہ پا سکو گے۔ ۱۹۔ ۲۰

اور اسی طرح ہم نے ان پر لوگوں کو مطلع کر دیا تاکہ لوگ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ شدنی ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ وہ وقت بھی خیال کرو جب لوگ آپس میں ان کے معاملے میں جھگڑ رہے تھے تو بولے کہ ان کے غار پہ ایک عمارت بنوا دو۔ ان کا رب ان کو خوب جانتا ہے۔ جو لوگ ان کے معاملے میں غالب آئے انہوں نے کہا کہ ہم تو ان کے غار پہ ایک مسجد بنائیں گے۔ ۲۱

اب یہ کہیں گے یہ تین تھے ان کا چوتھا ان کا کتا تھا اور کہیں گے یہ پانچ تھے ان کا چھٹا ان کا کتا تھا، بالکل اٹکل پچو! اور کہیں گے یہ سات تھے اور ان کا آٹھواں ان کا کتا تھا۔ کہہ دو میرا رب ہی ان کی تعداد کو خوب جانتا ہے۔ ان کو بس تھوڑے ہی لوگ جانتے ہیں اور تم ان کے باب میں نہ بحث کرو، مگر ٹالنے کے انداز میں اور ان کے معاملہ میں ان میں سے کسی سے نہ پوچھو اور کسی امر کے لئے یوں نہ کہا

کرو کہ میں کل یہ کر دوں گا، مگر یہ کہ اللہ چاہے اور جب تم بھول جایا کرو تو اپنے رب کو یاد کر لو اور کہو کہ امید ہے کہ میرا رب اس سے بھی کم مدت میں صحیح بات کی طرف میری رہنمائی فرما دے۔ ۲۲۔۲۴

اور وہ اپنے غار میں تین سو سال رہے اور نو سال مزید براں۔ کہہ دو اللہ ہی خوب جانتا ہے جتنی مدت وہ رہے۔ آسمانوں اور زمین کا غیب صرف اس کے علم میں ہے، کیا ہی خوب ہے وہ دیکھنے والا اور سننے والا۔ اس کے سوا ان کا کوئی کارساز نہیں اور وہ اپنے اختیار میں کسی کو ساجھی نہیں بناتا۔ ۲۵۔۲۶

طالبین علوم قرآنی کو مژدہ

مولانا امین احسن اصلاحی

کی تفسیر تدبر قرآن کا ابتدائی حصہ یعنی

مقدمہ تدبر قرآن

و تفاسیر آیۂ بسم اللہ و سورۂ فاتحہ

جس کے مطالعے سے قرآن کے مطالعے کا ذوق و شوق پیدا ہوتا ہے اور اس پر غور کرنے کا صحیح طریق بھی واضح ہوتا ہے۔

اشاعت عام اور افادہ عوام کی غرض سے علیحدہ کتابی شکل میں شائع کر دیا گیا ہے۔

نہایت عمدہ، سفید، دبیز، آفسٹ کاغذ پر ۲۲×۲۹/۸ کے ۹۴ صفحات ڈپلیکس بورڈ کے خوبصورت کور سے مزین۔ ہدیہ واجبی یعنی صرف ۲/- روپے

[" تدبر قرآن" کے قدر دانوں سے توقع ہے کہ وہ اس کتاب کی وسیع ترین حلقے میں اشاعت کی جانب توجہ فرمائیں گے۔ اس مقصد کے لئے دس یا دس سے زیادہ نسخوں کے آرڈر پر ۲۵ فیصد کمیشن بھی دیا جائے گا]

شائع کردہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور (رجسٹرڈ)

۱۲۔ افغانی روڈ۔ سمن آباد۔ لاہور (فون ۹۸۲۴۵)

علوم قرآنی کا بیش بہا خزانہ

مولانا امین احسن اصلاحی کی مایۂ ناز تفسیر

تدبّر قرآن

جلد اوّل

مشتمل بر مقدمہ و تفاسیر: آیت بسم اللہ، سورۂ فاتحہ، سورۂ بقرہ و سورۂ آل عمران، سائز ۲۲/۲۹ ۸، صفحات ۸۸۰، عمدہ دبیز سفید کاغذ، آفسٹ کی دیدہ زیب طباعت، مضبوط و پائدار جلد کے ساتھ، ہدیہ ۴۰ روپے

جلد دوم

مشتمل بر تفاسیر: سورۂ نساء، سورۂ مائدہ، سورۂ انعام و سورۂ اعراف سائز، کاغذ طباعت اور جلد حسب سابق، صفحات ۸۰۸، ہدیہ ۳۲ روپے

جلد سوم

مشتمل بر تفاسیر: سورۂ یونس تا سورہ بنی اسرائیل، سائز، کاغذ، طباعت اور جلد حسب سابق، صفحات ۸۰۸، ہدیہ ۴۰ روپے

محصول ڈاک فی جلد -/۳ روپے

شائع کردہ

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن ۱۲ افغانی روڈ سمن آباد لاہور

سید نذیر نیازی

اقبال اور قرآن

انجمن خدام القرآن کے موسس جناب ڈاکٹر اسرار احمد کا ارشاد ہے کہ مسلمانوں پر قرآن مجید کے کچھ حقوق ہیں۔ ایک اسے ماننا، دوسرا پڑھنا، تیسرا سمجھنا، چوتھا عمل کرنا، پانچواں دوسروں تک پہنچانا۔ پھر ان پانچوں حقوق کو بعنوانات ذیل یوں ترتیب دیا ہے "تاکہ ہم سمجھ لیں یہ حقوق فی الواقعہ ہیں کیا اور باعتبار ان کے ہم پر کیا فرائض عاید ہوتے ہیں۔ عنوانات یہ ہیں :-

۱ : ایمان اور تعظیم
۲ : تلاوت اور ترتیل
۳ : تذکر اور تدبر
۴ : حکم اور اقامت
۵ : تبلیغ اور تبیین

ایمان اور تعظیم کا تقاضا یہ ہے کہ ہم قرآن مجید کو صدق دل سے مانیں۔ ہر حالت میں اس کے ادب اور احترام کا خیال رکھیں، نہ کوئی ہستی اللہ تعالیٰ سے زیادہ واجب التعظیم ہے نہ اس کے کلام سے بڑھ کر کوئی اور کلام واجب تعظیم و تکریم۔

تلاوت و ترتیل سے مراد ہے قرآن مجید کو جملہ آداب ظاہری و باطنی اور لوازم تجوید کے ساتھ خوش دلی اور خوش الحانی سے رک رک کر اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا تاکہ اس کی تعلیمات ذہن نشین ہو تی جائیں۔ ہم خلوص نیت سے ان کے اتباع اور پیروی پر آمادہ رہیں۔

تذکر کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کا ہر ارشاد بطور ایک حقیقت ذہن میں مستحضر رہے۔ ہم اسے کبھی نہ بھولیں۔ ہر حالت میں اس سے ہدایت اور رہنمائی حاصل کرتے رہیں۔ تدبر کے معنی ہیں غور اور فکر

اور اس سے مقصود یہ کہ ہم ان حقائق کا فہم اور ادراک پیدا کریں جن کی طرف قرآن مجید نے بکمال فصاحت و بلاغت جا بجا اشارہ کیا۔ بالفاظ دیگر آیات الہیہ کا مطالعہ و مشاہدہ، جو انفس و آفاق میں بکھری پڑی ہیں۔ جن کا تعلق جہاں انسان اور کائنات سے ہے وہاں زندگی اور اس کے مختلف پہلوؤں سے بھی ہے تاکہ ہم سمجھیں قرآن مجید کی دعوت کیا ہے۔ ہماری غایت حیات کیا عالم انسانی ہو یا عالم فطرت مشیت الٰہیہ اس میں کس طرح کار فرما ہے ہم اپنی کہنہ ذات تک پہنچیں۔ یہ جان لیں اسے کائنات اور خالق کائنات سے کیا تعلق ہے۔ اس طریق زندگی میں جو ہمارے لئے تجویز ہوا کیا مصلحت ہے۔ یہ بنیادی سوالات ہیں جن پہ انسان ہمیشہ سے غور کرتا چلا آیا اور غور کرتا رہے گا۔ لہٰذا قرآن مجید میں تدبر اور تفکر بھی ایک ایسا عمل ہے جس کی کوئی انتہا ہے نہ اختتام۔

حکم اور اقامت ہے قرآن مجید کے احکام کی منصفانہ پابندی اور ان سب فرائض کی جو اس طرح عاید ہوتے ہیں ہر حالت میں بجا آوری اقامت وہ جد و جہد جو اس نظام اجتماع یا معاشرے کے قیام و استحکام میں لازم ٹھہرتی ہے جو قرآن مجید کا مقصود ہے اور جس کی ابتدا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصولاً اور عملاً ہر پہلو اور ہر جہت سے واضح اور مکمل طور پر کر دی۔

تبلیغ عبادت ہے تعلیمات قرآنی کی ہمہ گیر اشاعت سے کہ ان سے دنیا کا کوئی انسان اور کوئی قوم بے خبر نہ رہے۔ تعیین جیسا بھی موقعہ اور جیسے بھی حالات کا تقاضا ہے ان کو توضیح و تشریح۔

آیئے اب ڈاکٹر صاحب کے ان ارشادات کے پیش نظر یہ دیکھیں کہ اقبال نے ان حقوق کو کس طرح اور کہاں تک پورا کیا۔

سب سے پہلا فریضہ ایمان اور تعظیم ہے اور اسی سے ایک مسلمان کی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ اقبال نے قرآن مجید کو ویسے ہی مانا جیسے ہر سچے مسلمان کا فرض ہے وہ صدق دل سے اس پہ ایمان لائے۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے۔ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے۔ لفظاً اور معناً حضور رسالت مآب پہ نازل ہوا اور بعینہٖ آج ہمارے سامنے موجود ہے۔ اس کی تعلیمات عالمگیر ہیں۔ دوامی اور ابدی جن میں سر مو کمی بیشی کی گنجائش نہیں۔ تعظیم کا یہ عالم تھا کہ جہاں قرآن مجید کا ذکر آیا ان کا سر فرط ادب سے جھک گیا۔ چہرہ متغیر ہو گیا بمصداق لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل لرأیتہ خاشعا متصدعا من خشیۃ اللہ قرآن مجید کی عظمت کا احساس بڑھتا جاتا۔ کسی گہری فکر میں ڈوب جاتے اس عالم میں ان کی دلی کیفیت کا اندازہ انہیں کے اس شعر سے کیجئے جس میں گویا اسی ارشاد باری تعالیٰ لو انزلنا ھذا القرآن .... کی ترجمانی نہایت خوبی سے ہو گئی ہے

ؔ آنکہ دوش کوہ بارش برنتافت سطوت او زہرہ گردوں شگافت

تلاوت کا وظیفہ تو اس وقت تک جاری رہا جب تک علالت نے انہیں بے بس نہیں کر دیا۔ ان کی تعلیم کا آغاز قرآن مجید سے ہوا اور قرآن مجید ہی پہ اس کا خاتمہ ہو گیا۔ بچپن ہی سے نماز فجر کے بعد علی الصبح قرآن مجید کی تلاوت کرتے۔ بہ ادب بیٹھ جاتے۔ خوش الحان تھے۔ ایک ایک لفظ اور ایک ایک آیت پہ غور کرتے۔ ٹھہر ٹھہر کر آگے بڑھتے تاکہ ہر لفظ اور ہر آیت کے معنی ذہن نشین ہو جائیں۔ قرآن مجید کی تلاوت اور مطالعہ ہی ان کا محبوب ترین اور دل و دماغ کا سرمایہ تھا۔ ان کی غذائے روح ان کے لئے سرور و ابتہاج کا لازوال سرچشمہ۔ علالت کے ہاتھوں دم کشی اور حبس صوت کے باعث جب تلاوت سے معذور ہو گئے تو افسوس فرمایا ع

لطف قرآن سحر باقی نماند

قرآن مجید سے ان کی شیفتگی اور والہانہ شغف کا یہ عالم تھا کہ کوئی بھی مصروفیت ہو، کیسا بھی انہماک گھر بار کے معاملات، دنیا کے دھندے ان کا دل ہمیشہ قرآن مجید میں رہتا۔ دوران مطالعہ ہی اکثر رقت طاری ہو جاتی۔ بآواز بلند تلاوت کر رہے ہیں تو آواز گلوگیر ہے آنکھیں پرنم۔

تذکرے کے لئے صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ کوئی گفتگو ہو، تحریر یا تقریر جہاں کوئی بات کہنے کی ہوئی ان کا ذہن بے اختیار ارشادات قرآنی کی طرف منتقل ہو گیا۔ جہاں کوئی حقیقت سامنے آئی، کوئی فکر ذہن میں ابھرا قرآن مجید کے حوالے سے اس کی وضاحت کر دی۔ مثالیں بہت ہیں۔ میں صرف ایک مثال پہ اکتفا کروں گا۔ ۱۹۳۰ء میں الہ آباد میں آل انڈیا مسلم لیگ کی صدارت کرتے ہوئے انہوں نے جو خطبہ ارشاد فرمایا، ارض پاک و ہند میں ایک آزاد اسلامی قومیت کی تشکیل کا اولین اعلان تھا۔ اسلامی قومیت کی تشکیل اور وہ بھی صدیوں کے زوال و انحطاط، فرقہ آرائیوں اور فرقہ بندیوں کے بعد معمولی نصب العین نہیں تھا۔ اسلامی قومیت کے احیا اور اسلامی قومیت کے قیام میں خطرے ہی خطرے تھے۔ اندرونی اور بیرونی بھی، اس کے لئے شدید جد و جہد، بڑے صبر و استقامت، ایمان کامل اور یقین محکم کی ضرورت تھی۔ یہ ایک آزمائش تھی جس میں قرآن مجید ہی سے تمسک اور قرآن مجید ہی کی رہنمائی سے پورے اتر سکتے تھے۔ لہذا اقبال جب سب کچھ کہہ چکے تو سلسلہ کلام اس ارشاد قرآنی پہ ختم کیا۔ علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم اور ظاہر ہے اس موقعہ پہ اس سے زیادہ مناسب تنبیہہ اور کیا ہو سکتی تھی کہ اگر ہمیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہے ہم راہ ہدایت پر گامزن ہیں تو اپنے مقصد میں کامیاب ہوں گے۔ بعینہٖ ۱۹۲۲ء میں جب عالم اسلام کا سیاسی اجتماعی

زوال اپنی انتہا کو پہنچ گیا جب کوئی سرزمین نہیں تھی جہاں مسلمان آزادی کا سانس لے سکے۔ جب ان حالات میں اقبال نے خضر راہ کے عنوان سے وہ مشہور نظم جو گویا شمع و شاعر کا تتمہ ہے پڑھی تو اس کا خاتمہ بھی اس ارشاد باری تعالیٰ پہ ہوا

مسلم استی سینہ را از آرزو آباد دار
ہر زماں پیش نظر لا تخلف المیعاد دار

کون مسلمان ہے جو نہیں جانتا کہ یاس کفر ہے۔ قرآن مجید نے اہل یاس کا شمار اصحاب قبور میں کیا ہے اس دور ابتلا میں جب ہر طرف مایوسی ہی مایوسی چھا رہی تھی لا تخلف المیعاد سے بڑھ کر امید و اعتقاد کا پیغام اور کیا ہو سکتا تھا۔

رہا تدبر سو اس باب میں کیا عرض کیا جائے۔ محمد اقبال نے جو کچھ کہا جو کچھ سوچا، جو کچھ لکھا، شعر ہو یا فلسفہ قرآن مجید ہی میں تدبر اور تفکر کی بدولت۔ اس تدبر اور تفکر کی مثالیں پیش کرنا اس کی اہمیت کو کم کرنا ہے۔ یہ تو ایک مستقل موضوع ہے۔ مختصراً یہ کہ اقبال کا سرمایۂ فکر قرآن مجید ہی کی تعلیمات تھیں اور کچھ نہیں تھا۔ ان کی شاعری اور افکار کا بغور مطالعہ کیجئے اس میں قرآن مجید ہی کی روح کار فرما ہے اور قرآن مجید ہی کی ترجمانی مقصود۔ اسرار و رموز اور خطبات کے علاوہ کتنی تحریریں ہیں جن کی اساس قرآن مجید ہی میں ان کا تدبر اور تفکر ہے۔ پھر یہی تدبر اور تفکر بانگ درا سے لے کر بال جبریل، ضرب کلیم، پیام مشرق، زبور عجم، پس چہ باید کرد، مسافر اور ارمغان حجاز میں ہر کہیں نمایاں ہے۔ بلکہ ان کی متفرق تحریریں، بیانات، تقریریں اور خطوط بھی اس سے خالی نہیں۔ گفتگوؤں میں بات پھر پھر کر قرآن مجید ہی کے معارف اور حکم پہ آ جاتی۔ زمانہ طالب علمی ہی میں جب انہیں قرآن مجید میں تدبر اور تفکر کا سبق دیا جا رہا تھا ان کے والد محترم بھی انہیں یہی نصیحت کرتے۔ ایک روز کہنے لگے قرآن مجید پڑھتے تو ہو اسے سمجھتے بھی ہو۔ یاد رکھو قرآن مجید پڑھنے ہی سے نہیں دل کے راستے سے بھی سمجھ میں آ جاتا ہے۔ اسے پڑھو تو یوں سمجھو۔ جیسے قرآن مجید تمہارے دل پہ نازل ہو رہا ہے۔

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

اس تدبر اور تفکر اور دل کے راستے سے قرآن مجید کو سمجھنے کی داستان بڑی طویل ہے۔ اس کے لئے ایک دفتر چاہیئے۔ میں پھر دو ایک مثالوں پہ اکتفا کروں گا۔ ایک روز کہنے لگے فلسفہ ہو یا سائنس، زندگی

اور اس کے مسائل۔ کوئی عقدہ یوں حل ہوتا نظر نہ آئے تو قرآن مجید سے رجوع کرتا ہوں۔ آئن سٹائن کا نظریہ اضافیت شائع ہوا اور اس کے ماتحت یہ ماننا لازم ٹھہرا کہ کائنات اضافہ پذیر ہے تو میری سمجھ میں یہ بات نہ آئی۔ کئی دن سوچتا رہا بالآخر ایک روز اس پریشانی میں دفعتاً خیال آیا۔ کیوں نہ قرآن مجید سے رہنمائی حاصل کروں۔ میں نے علی بخش کو پکارا، علی بخش قرآن مجید لے آؤ۔ علی بخش قرآن مجید لایا اور میں نے اسے کھولا تو میرے تعجب کی انتہا نہ رہی جب پہلی آیت جس پر میری نگاہ پڑی یہ تھی واللہ یزید فی الخلق ما یشاء۔ میں سمجھ گیا۔ میری مشکل حل ہو گئی۔ ایسے ہی نیٹشے کا فوق البشر زیر بحث آیا تو میں نے درخواست کی کہ اس باب میں دانستہ یا نادانستہ جو غلط فہمیاں پیدا ہو گئیں یا کر دی گئیں ان کا ازالہ ضروری ہے۔ ناقدین نے فوق البشر کا سلسلہ خواہ مخواہ نائب حق سے جوڑ رکھا ہے۔ فرمایا میں تو ان کا کب سے ازالہ کر چکا۔ میں نے جو کچھ کہا ہے میرے ناقدین اسے غور سے کیوں نہیں پڑھتے۔ میں نے عرض کیا میں انہیں کے خیال سے کچھ ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر ان غلط فہمیوں کے پیش نظر چند ایک باتوں کی ایک حد تک وضاحت ہو جائے اور وہ بھی آپ کی طرف سے تو اچھا ہو گا۔ فرمایا اگر تمہارا ایسا ہی خیال ہے تو کل سہ پہر کا وقت مناسب رہے گا۔ ذرا جلدی چلے آنا۔ دوسرے روز حاضر خدمت ہوا۔ اور کاغذ قلم لے کر بیٹھ گیا تو فرمایا یہ سامنے کی الماری میں قرآن مجید رکھا ہے۔ قرآن مجید اٹھا لاؤ۔ میں اپنے دل میں سمجھ رہا تھا کہ مجھ سے شاید فلسفہ کی بعض کتابوں کی ورق گردانی کے لئے کہا جائے گا۔ میں قرآن مجید لے آیا تو ارشاد ہوا۔ سورہ حشر کا آخری رکوع نقل کر لو۔ رکوع نقل کر چکا تو پھر چند ایک عنوانات کے ماتحت یکے بعد دیگرے مختصراً کچھ شذرات لکھواتے گئے۔ یہ دن تھا جب میں پوری طور سے سمجھا کہ اقبال نے نائب حق کا جو تصور قائم کیا اس کی اساس فی الحقیقت کیا ہے۔ بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں تدبر و تفکر کے معنی ہی یہ ہیں کہ علم و حکمت اور فکر و فرہنگ کی ساری دنیا ہمارے سامنے ہو بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ یہ دنیا تمام و کمال ہمارے سامنے آئے گی تو قرآن مجید ہی کی بدولت اس لحاظ سے دیکھا جائے تو قرآن مجید کا رشتہ علم و حکمت سے جس طرح قائم ہے اور علم و حکمت کا قرآن مجید سے اس کا سمجھنا بہت بڑی بات ہے۔ ایک روز گفتگو تھی کہ اس عہد نے جسے سائنس کا عہد کہا جاتا ہے مذہب کے بارے میں بڑی بدگمانیاں پیدا کر دیں بلکہ اس کے خلاف ایک معاندانہ روش اختیار کر رکھی ہے۔ فرمایا یہ اس لئے کہ لوگ علم و حکمت کی صحیح روح سے واقف ہیں نہ قرآن مجید سے کہ اس کی تعلیمات کیا ہیں ارشاد ہوا اور انگریزی میں اسلام خلاصہ کائنات ہے Epitome of the universe اور یہی رائے ہمارے

علما کی تھی۔ مگر یہ حقیقت جب ہی منکشف ہوگی جب ہم قرآن مجید میں تدبّر اور تفکّر سے کام لیں قرآن مجید میں تدبر اور تفکر کیجئے تو علم و حکمت ہو یا کوئی اور صداقت ہمارا رشتہ آپ ہی آپ اس سے قائم ہو جائے گا یہ جو اقبال کے اشعار میں تعلیمات قرآنی کی برجستہ اور بے ساختہ ترجمانی ہوتی رہتی تھی تو اسی تدبّر اور تفکّر کی بدولت ان کا کہنا تھا کہ قرآن مجید ہمیشہ کے لئے ہے۔ اس میں تدبّر اور تفکّر کا عمل بھی ہمیشہ جاری رہنا چاہیئے۔

حکم کو لیجئے تو اتنا کہ دینا کافی ہوگا کہ اقبال کے نزدیک انسان کے لئے کوئی اساس فکر اور اساس عمل ہے تو قرآن مجید اور صرف قرآن مجید۔ حکم کے معنی بہت وسیع ہیں۔ یہ ایک بڑی جامع اصطلاح ہے جس سے مراد ہے ان سب اوامر و نواہی کی غیر مشروط پابندی جو از روئے معروف و منکر اور حرام و حلال شریعت نے ہم پہ عاید کئے اور جن کی بجا آوری سے فرد کی سیرت اور جماعت کا کردار اسلام کے سانچے میں ڈھلتا ہے جو ہماری تعلیم اور تربیت کا سرچشمہ اور اس عمارت کی اساس ہیں جسے اسلامی نظام حیات یا اسلامی طریق زندگی یا اصطلاحاً جو جی چاہے کہہ لیجئے اور جو ساری نوع انسانی کو ایک اصول اور قانون پہ جمع کرتے ہوئے اس راستے کی طرف لے جاتا ہے جسے اس کی فطرت کہیے جسے خالق فطرت نے خود اس کے لئے تجویز کیا۔ مختصراً یہ کہ حکم کا تقاضا ہے اقامت دین بالفاظ دیگر اسلام کی ہر پہلو سے عملاً اور واقعتاً ترجمانی۔ لہذا اس معاشرے کی تعمیر جو وحدت بشری کی تمہید ہے اور جس کے لئے ایک آزاد اور با اقتدار، مخصوص و متمیز اور جداگانہ سیاسی اجتماعی گروہ بندی ناگزیر ٹھہرتی ہے۔ جس کے بغیر ناممکن ہے فرد یا جماعت کی زندگی اسلام کے معیار پر پوری اترے۔ یہی وہ جد و جہد ہے جس میں چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی کی ستیزہ کاری میں ہمارے ایمان اور صبر و استقامت کا امتحان ہوتا ہے اور جس کا، جب ارض پاک و ہند کی سیاست ایک فیصلہ کن مرحلے پہ پہنچ گئی۔ وقت آیا اور اقبال نے قوم کو یاد دلایا کہ ہم نہ بھولیں بحیثیت قوم ہمارا فریضہ کیا ہے، ہماری حیات اجتماعیہ اور قومی تشخص کا راز کیا۔ لہذا اس مرحلے میں ہمارا موقف کیا ہونا چاہیئے تو ان کی مخالفت میں غیروں کی طرف سے جو آواز اٹھی اس میں ایک حد تک اپنوں نے بھی حصّہ لیا۔ حالانکہ ان کا کہنا یہ تھا کہ اگر اسلام محض ایک عقیدہ نہیں کہ ہم نے اسے مانا اور اپنی ذاتی اور نجی زندگی سے باہر اس پہ عمل سے کنارہ کش ہو گئے بلکہ ایک دستور حیات جس کے افہام و تفہیم کے لئے انبیا علیہم السلام تشریف لائے جو حضور رحمۃ للعالمین کی بعثت کے ساتھ بطور ایک دین کامل افراد و اقوام کی زندگی لہذا امور انسانی میں ہمیشہ کارفرما تھا آج بھی ہے اور رہے گا اگر اس

دستورِ حیات کی ترجمانی ایک نظامِ مدنیت کی شکل میں نہیں ہوتی۔ اگر اس کی بنا پہ ایک ایسی قوم وجود میں نہیں آتی جس کا ضمیر خالص انسانی اور نقطۂ نظر لسانی جغرافی نسلی عصبیتوں سے بالاتر محض انسانیت پر مرکوز ہے تو کوئی بھی جدوجہد ہو سیاسی یا اجتماعی ذہنی یا اخلاقی اس سے کیا حاصل۔ یہ ایک سیدھی سادی سی بات تھی جس میں کوئی ایچ پیچ نہیں تھا مگر جسے سمجھنے کی کوشش نہیں کی گئی حالانکہ اس کا مطلب بجز اس کے کچھ نہیں تھا کہ اگر اسلام ایک عالمگیر دعوت ہے اگر اس کا خطاب ساری دنیائے انسانی اقوام اور امم سے اور عالم تاریخ سے ہے لہٰذا کسی ایسے نصب العین پر جس سے بحیثیت ایک نوع ہماری تقدیر اور مستقبل وابستہ ہے اور یہی فی الحقیقت تہذیب و تمدن کی اساس۔ اگر مسلمانوں کا کوئی اجتماعی کردار ہے کوئی فریضہ ہے جو عالم بشری کی ہدایت اور خیر و سعادت کے لئے ان پر عاید ہوتا ہے۔ اگر یہی ہماری زندگی کا مقصد تو ہم اسے آزادی و اقتدار ایک قوم کی حیثیت ہی سے جیسا کہ زبانِ سیاست میں اس کا مفہوم ہے اور جس کے لئے "غیر امت" کی تشکیل ہوئی ادا کر سکتے ہیں۔ نہ اسلامی قومیت کسی دوسری قومیت میں ضم ہو سکتی ہے، نہ اس کے دستورِ حیات میں کسی دوسرے دستورِ حیات کا پیوند لگ سکتا ہے۔ ہمارا حق ہے ہم اپنا ملی تشخص قائم رکھیں۔ پھر جب اس ملی تشخص کے شعور ہی سے ہماری تعلیم و تربیت میں کچھ معنی پیدا ہوتے اور ہمارا قومی وجود قائم ہے تو حق و باطل میں شرکت کے کیا معنی۔

باطل دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

یہ فریضہ ہے جس کی انہوں نے عمر بھر تلقین کی جس کے لئے اپنی ساری زندگی وقف کر دی۔ شعر ہو یا فلسفہ ادب اور فن یا سیاسی اور ملی زندگی کا کوئی گوشہ وہ جہاں کہیں بھی اور جس حال میں تھے، اسی نصب العین پر قائم رہے اور یہی اول و آخر ان کی آرزو کہ ملت اپنے اصل الاصول پر آ جائے۔ عصرِ حاضر کا انسان اپنی سعی و محنت، اپنی عقل و فکر کی تازگی اور علم و ہنر کی نادرہ کاری سے جو دنیا پیدا کر رہا ہے، زندگی نے جو انقلاب انگیز کروٹ لی ہے۔ ارباب نظر جس نئے اور تابناک مستقبل کا جو خواب دیکھ رہے ہیں مسلمان اس سے غافل نہ رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک موقع دیا ہے اسی میں ان کا امتحان ہے۔ وہ اٹھیں، اپنے ایمان و یقین کی تجدید کریں اور اس دنیا کی تعمیر میں مصروف ہو جائیں جو اسلام کا مقصود ہے۔ لہٰذا جیسے جیسے دن گزرتے گئے ان کی گفتگو کا کوئی موضوع تھا تو یہی اور یہی ہر ایک سے ان کا کہنا حتیٰ کہ علالت کے آخری ایام میں جب ان کے لئے سانس لینا بھی

مشکل ہو گیا تھا۔ انہیں کوئی خیال تھا تو یہی، کوئی پریشانی تھی تو یہی۔ چنانچہ یہ انہیں کا ایمان و یقین بصیرت اور فراست تھی کہ ارض پاک و ہند کی بساط سیاست دیکھتے دیکھتے بدل گئی۔

جہانے را دگرگوں کرد یک مردے خود آگاہے

مسلمانوں نے جان لیا ان کے مستقبل کا راز کیا ہے، ان کے لئے صحیح راہ عمل کیا۔

بات طویل ہو رہی ہے کہنا یہ ہے کہ اقبال کا کوئی پیغام تھا تو یہی کہ مسلمان سمجھ لیں ان کی زندگی قرآن مجید سے ہے۔ قرآن مجید میں فکر و نظر سے کام لیں۔ اس کی تعلیمات پر عمل کریں قرآن مجید ہی ان کا ایک سرمایہ ہے۔ یہی ان کا پیغام تھا جسے انہوں نے طرح طرح سے پیش کیا۔ شعر میں، فکر میں تحریر و تقریر میں، گفتگوؤں میں، اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے۔ کوئی معاملہ ہو، کوئی مسئلہ، علم و حکمت کی بحث ہو، تہذیب و تمدن یا ادب اور فن، سیاست اور معاش، فرد کی زندگی، جماعت کے مفاد، انسان، اس کے ضمیر اور باطن احوال و واردات امور عالم کی غرضیکہ کوئی موضوع ہو بالآخر قرآن مجید ہی پہ ختم ہوتا۔ قرآن مجید ہی نے ان کے فکر کو جلا دی۔ قرآن مجید نے ہی ان کی شاعری میں وہ کیفیت وہ درد و سوز اور ذوق و شوق پیدا کیا جس کا سرچشمہ ایمان میں نے عرض کیا تھا۔ ان کی تعلیم کا آغاز قرآن مجید سے ہوا اور اگر ہم نے اقبال کو سمجھ لیا ہے تو جیسا کہ ہر کوئی سمجھ سکتا ہے اس تعلیم کا خاتمہ بھی قرآن مجید ہی پہ ہوا۔ آخری عمر میں بھی ان کی کوئی خواہش تھی تو یہی کہ قرآن مجید کے معارف اور حکم پر قلم اٹھائیں۔ زندگی کے آخری لمحے آئے تو یہی آرزو کہ قرآن مجید سنیں اور ایسا کیوں نہ ہوتا۔ جب زندگی ہو یا آخرت اس کا رشتہ قرآن مجید ہی سے وابستہ ہے۔ انہوں نے کہا ہے اور خوب کہا۔

تو اگر خواہی مسلمان زیستن

نیست ممکن جز بقرآن زیستن

لیکن اس " بقرآن زیستن " کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس جد و جہد میں جو نوع انسانی کو ازل سے درپیش ہے جس میں تاریخ کی حیثیت ایک لمحے کی ہے جس میں اقوام و امم یکے بعد دیگرے ایسے ابھرتی ہیں جیسے کسی بہتی ہوئی ندی میں پانی کے بلبلے۔ جس میں تہذیب و تمدن نے کتنی رنگ بدلے، چشم فلک نے کئی انقلاب دیکھے اور جس کا سلسلہ اس لئے جاری ہے اور جاری رہے گا کہ انسان اپنے مدعا و منتہا کو پالے۔ ہم اس جد و جہد میں مردانہ وار حصہ لیں اسے اسلام کے قالب میں ڈھال دیں۔ یہ مقصد وعظ و نصیحت اور تحریر و تقریر سے حاصل نہیں ہوگا۔ قرآن مجید پہ عمل کرنے سے

اے کہ می نازی بقرآن عظیم   تا کجا در حجرہ ما باشی مقیم

در جہاں اسرار دیں را فاش کن نکتہ شرع مبیں را فاش کن

یہ اس لئے کہ زندگی کو ثبات ہے۔ اس کی تقویم کا کوئی نسخہ، اس کے امکانات کے حصول کا کوئی راستہ، اس کی غایت اور کنہ میں ادراک کا کوئی ذریعہ ہم سمجھ لیں اس کا رخ فی الحقیقت کس طرف ہے تو قرآن مجید ہی کی بدولت۔ یہی ہماری تعمیر ذات اور یہی ایک ایسی زندہ و پائندہ شخصیت کی اساس جسے موت کا ہاتھ بھی فنا نہیں کر سکتا، قرآن مجید ہی اس حکم اور ترقی پذیر نظام تمدن کا صورت گر ہے جس کی ساری نوع انسانی کو ضرورت ہے وہ ایک عالمگیر اور ابدی پیام ہدایت ہے جو ہمارے لئے مژدہ حیات لے کر آیا جس میں ہمارا اپنی ذکر ہے جسے یاد رکھنے کے لئے آسان کر دیا ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر جو عین صداقت ہے عین علم و حکمت سرتا سر دستور و قانون سرتا سر موعظت اور رحمت

آں کتاب زندہ قرآن حکیم حکمت او لایزال است و قدیم
نسخہ اسرار تکوین حیات بے ثبات از قوتش گیرد ثبات
حرف او را ریب نے تبدیل نے آیہ اش شرمندہ تاویل نے
نوع انساں را پیام آخریں حامل او رحمۃ للعالمین

اب اگر ہمیں زندگی کی نعمت ملی ہے، ہمارے نزدیک اس کے کچھ معنی ہیں۔ ہم اس کی تب و تاب محسوس کرتے اس کے ذوق و شوق اور سوز و ساز کے لذت آشنا ہیں۔ ہمارے سینوں میں بھی وہی آرزوئیں اور تمنائیں پرورش پا رہی ہیں، وہی عزائم اور مقاصد ابھر رہے ہیں جن کا تعلق جہاں داری اور جہاں بانی سے ہے، عالم محسوس کی تسخیر اور ایک برتر تہذیب و تمدن کے نشو و نما سے، ایک ایسی دنیا کا تصور ہیں جو عمل پر اکسا رہا ہے جس میں انسانیت کا جوہر کھلے۔ جس میں زندگی کو اس کے سارے جمال و جلال کے ساتھ عالم خارج میں مشہور دیکھیں جس میں نت نئے حقائق اور نت نئے مدارج ذات سے لطف اندوز ہوں تو اس میں کامیابی کا رشتہ قرآن مجید ہی سے جوڑنا پڑے گا۔ پھر اس باب میں اقبال کا خطاب اگرچہ ساری نوع انسانی سے تھا لیکن اس شخص سے بالخصوص جو مسلمان ہے اور اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے کہ سب سے زیادہ اسی کا فرض ہے کہ اس جد و جہد میں حصہ لے۔

چوں مسلمانان اگر داری جگر در ضمیر خویش و در قرآں نگر
صد جہان تازہ در آیات اوست عصرہا پیچیدہ در آنات اوست
یک جہانش عصر حاضر را بس است گیر اگر در سینہ دل معنی رس است

بندہ مومن ز آیات خدا است | ہر جہاں اندر بر او چوں قبا است
چوں کہن گردد جہانے در برش | می دہد قرآں جہانے دیگرش
فاش گویم آنچہ در دل مضمر است | ایں کتابے نیست چیزے دیگر است
چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود | جان چوں دیگر شد جہاں دیگر شود

ہم بھول گئے قرآن مجید ہی سے ہمارا قومی وجود قائم ہے۔ قرآن مجید ہی ہمارے ملی تشخص کا راز۔ ہمارا آئین، ہمارے لئے اصول و قوانین کا سرچشمہ۔ مگر ہم ذلیل و خوار ہو گئے۔

خوار از مہجوری قرآں شدی | شکوہ سنج گردش دوراں شدی
اے چوں شبنم بر زمیں افتندہ | در بغل داری کتاب زندہ

پھر جس طرح اللہ کے کلمات ختم نہیں ہو سکتے خواہ دنیا بھر کے درخت قلم اور روشنائی بن جائیں۔ بعینہٖ ان کی تشریح و تفسیر تبلیغ و تبیین کا بھی کوئی اختتام ہے نہ انتہا، عقل طرح طرح سے ان کی طرف بڑھے گی۔ فکر ایک کے بعد دوسرا تصور قائم کرے گا۔ علم پہ نئے نئے حقائق منکشف ہوں گے کل سے کئی ایک عقدوں کی گرہ کھلتی رہے گی۔ لہذا ایک بات ہے جس کا اس ضمن میں سمجھ لینا ضروری ہے جس کی طرف اگرچہ اقبال نے اشارہ بھی کر دیا تھا مگر جس پہ بہت کم توجہ کی گئی اور وہ یہ کہ زندگی چونکہ سرتاسر خلاقی اور تازہ کاری ہے اس لئے تجربے اور مشاہدے کی طرح علم و حکمت اور فکر و وجدان کی دنیا بھی ایک تغیر پذیر دنیا ہے۔ اسی سے اس کی ہستی اور وجود قائم، یہی اس کی حرکت اور یہی اس کی طلب اور جستجو کا راز۔ وہ ایک لامتناہی سفر ہے جس میں اگرچہ کوئی مرحلہ اور کوئی ساعت آخری نہیں لیکن جس میں ہم لازماً کسی مقام پہ ہوں گے اور اسی مقام سے ماضی و حال کا جائزہ لیتے ہوئے ایک خاص موقف قائم کرتے ہوئے ایک نئی امید اور نئے اعتماد کے ساتھ منتظر رہیں گے کہ ہماری طلب و جستجو سے جو حقائق و انکشاف ہوئے مستقبل میں وہ کس انداز میں ہمارے سامنے آئیں گے۔ بعینہٖ جیسے ایک کوہ پیما ایک بلندی سے دوسری بلندی کی طرف بڑھتا ہے تو اگرچہ وہی مناظر بار بار اس کے سامنے آتے ہیں جن کو وہ اس سے پہلے دیکھ آیا تھا مگر اب ہر لحظہ ایک نئے رنگ میں۔ کچھ ایسا ہی معاملہ عقل اور فکر کا ہے کہ ہمارے وہ تصورات بھی جن کو ہم آخری اور قطعی سمجھتے ہیں، آخری اور قطعی نہیں ہوتے۔ حقیقت ایک ہے اور لامتناہی۔ جیسے ہم عقل اور فکر کے سہارے اس کی طرف بڑھیں گے ہمارے وہ تصورات بھی جو قطعی اور یقینی لہذا خالی از صداقت نہیں تھے۔ ایک نئے روپ میں ہمارے سامنے آئیں گے۔ نئے نئے تصورات قائم ہوتے چلے جائیں گے۔ لیکن

ایک خاص وقت میں جب حقیقت کا کوئی پہلو اجاگر ہوا اور اس موقف کی رعایت سے جو ایک خاص عمر میں عقل اور فکر نے قائم کیا کیونکہ بغیر اس کے کوئی دوسرا موقف ممکن ہی نہیں تھا تو ہم جو کچھ کہیں گے اس موقف کا لحاظ رکھتے ہوئے تاکہ اسے دوسروں تک پہنچا سکیں مگر جس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوگا کہ ہم نے حقیقت کو موقف یا اس طرح جو تصورات قائم ہوئے ان کے تابع کر دیا۔ جس ذہنی فضا میں سانس لے رہے ہیں اس کی برتری تسلیم کر لی حالانکہ ہم نے جو کچھ کہا محض سہولت افہام و تفہیم کے لئے۔ یہاں پھر ایک مثال سے کام لینا بہتر ہوگا جس سے اس امر کی مزید وضاحت ہو جائے گی کہ اقبال کے فکر کی نوعیت فی الحقیقت کیا ہے۔ انہوں نے آیت نور اللہ نور السمٰوٰت والارض کے بارے میں جب ایک مغربی مصنف کے خیال کی، جس نے اسے ایک خاص دعوے کی تائید میں پیش کیا تھا تردید کی اور کہا اس آیت کا اشارہ اس حقیقت کی طرف نہیں ہے جو مصنف کے ذہن میں ہے بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں ایک دوسری حقیقت کی طرف تو اعتراض ہوا کہ اقبال نے اس آیت کی جو تاویل کی ہے صحیح نہیں صحیح تاویل کچھ اور ہے جسے میں نے ان کی خدمت میں پیش کیا تو انہوں نے اپنے ایک عنایت نامے میں لکھا کہ تاویل تو معترض کر رہا ہے۔ میں نے تو صرف اتنا کہا ہے کہ مصنف مذکور کے نزدیک اس آیت کا اشارا جس حقیقت کی طرف ہے صحیح نہیں۔ میں تاویل کا قائل نہیں ہوں میرا مذہب اس معاملے میں وہی ہے جو ابن حزم کا اور جسے مولانا روم نے اپنے اس ارشاد میں کس خوبی سے ادا کر دیا ہے۔

کردۂ تاویل حرف بکر را　　　خویش را تاویل کن نے ذکر را

یہاں سمجھنے کی بات یہ ہے کہ اس حرف بکر کے معنوں کی از روئے فکر تحقیق سے فلسفہ کی نفی نہیں ہوتی نہ یہ کہنا درست ہوگا کہ اپنے خیالات کے جواز میں کوئی عقلی حیلہ تراش رہے ہیں۔ مگر بات پھر طول کھینچتی رہی ہے۔ مجھے چاہئیے سلسلہ کلام ختم کر دوں۔ بیان ہے ان حقوق کا جو قرآن مجید کی طرف مسلمانوں پر عاید ہوتے اور اقبال کے قرآن مجید میں ایمان و یقین کا

سفینہ چاہئیے اس بحر بیکراں کے لئے

بہتر ہوگا میں آپ حضرات کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہ آپ نے میری معروضات توجہ سے سنیں، سلسلہ کلام اقبال ہی کے اس قطعے پر ختم کر دوں

ز قرآن پیش خود آئینہ آویز　　　دگرگوں گشتۂ از خویش بگریز
ترازوئے بنہ کردار خود را　　　قیامت ہائے پیشین را بر انگیز

سلسلہ مطبوعات قرآن اکیڈمی ۲

دعوت رجوع الی القرآن کی اساسی دستاویز

ڈاکٹر اسرار احمد کی مقبول عام تالیف

مسلمانوں پر

قرآن مجید کے حقوق

خود پڑھیے اور دوستوں اور عزیزوں کو تحفۃً پیش کیجیے

یہ رسالہ جیسا کہ اس کے نام سے واضح ہے برادرم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سلمہٗ نے ان حقوق و فرائض کی تشریح کے مقصد سے لکھا ہے جو ایک مسلمان پر قرآن سے متعلق عاید ہوتے ہیں۔ اس زمانے میں قرآن پر ایمان کے مدعیوں کی کمی نہیں لیکن یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ اس ایمان کے تقاضے اور مطالبے کیا ہیں۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے قرآن کے دلائل کی روشنی میں ان تقاضوں اور مطالبوں کی تشریح کی ہے اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ نہایت خوبی اور نہایت جامعیت کے ساتھ تشریح کی ہے انداز بیان بہت دل نشین، دلائل نہایت محکم اور اسلوب خطاب نہایت ہی موثر اور دردمندانہ ہے۔ ہر مسلمان جو قرآن کے ساتھ اپنے تعلق کو صحیح بنیاد پر قائم کرنا چاہتا ہے اس رسالے میں بہترین رہنمائی پائے گا۔ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کے قلم میں برکت دے کہ وہ ایسی بہت سی چیزیں لکھنے کی توفیق پائیں۔ ہماری بہت سی عزیز امیدیں ان سے وابستہ ہیں۔ —— (مولانا امین احسن اصلاحی)

سائز $\frac{22 \times 18}{8}$ صفحات ۸۰ طباعت آفسٹ، سفید کاغذ اور خوشنما کور

—— ہدیہ: صرف ایک روپیہ ——

نوٹ: اس کتابچے کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے اس کا ہدیہ ڈیڑھ روپیہ ہے

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۱۲- افغانی روڈ۔ سمن آباد لاہور

چودھری مظفر حسین

قرآن کے دو نکتہ رس
اقبال اور رفیع الدین

پیشتر اس کے کہ اصل موضوع پہ اظہار خیال کروں، میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ عنوان موضوع میں "نکتہ رس" کا لفظ جن مخصوص معنوں میں استعمال کیا گیا ہے اس کی وضاحت کر دی جائے۔ اس وضاحت کے لئے وہ بلیغ مثال پوری طرح کفایت کرتی ہے جو ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم نے اپنی تصنیف حکمتِ اقبال کے شروع میں دی ہے۔ اس میں آپ فرماتے ہیں کہ روضہ تاج محل ایک خوبصورت کُل یا وحدت ہے جس کی ہر اینٹ اور ہر پتھر اس کی پوری وحدت کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔ لیکن فرض کریں کہ کسی حادثے کی وجہ سے اس کے سینکڑوں ٹکڑے ہو جاتے ہیں جو دُور دُور بکھر جاتے ہیں اب اگر کوئی شخص وہاں سے گزرے جس نے روضہ تاج محل کا حسن و جمال ایک منظم اور مربوط وحدت کی شکل میں کبھی نہ دیکھا ہو تو شاید وہ بعض ٹکڑوں کے باہمی ربط کو سمجھ لے۔ لیکن بہت سے ٹکڑوں کے ربط کو وہ سمجھنے سے معذور رہے گا جو عمارت کے حسن کا لازمی جزو ہیں۔ لیکن جس شخص نے تاج محل کے حسنُ کو ایک نظر دیکھا ہو وہ بآسانی جان لے گا کہ اس ٹوٹ پھوٹ جانے والی عمارت کا ہر ٹکڑا تاج محل کے کسی نہ کسی کونہ میں اپنی جگہ رکھتا ہے اور عمارت کے حسنِ کامل کا ایک ناگزیر حصّہ ہے۔ قرآن کے ایک مفسّر اور ایک نکتہ رس میں بھی یہی فرق ہے۔ ریزہ کاریٔ آیات قرآن میں یہ عین ممکن ہے کہ ایک مفسّر قرآن زبان و بیانِ قرآن میں اپنی ساری تحقیق و تدقیق کے باوجود حکمتِ قرآن تک رسائی حاصل کرنے میں ناکام رہے۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ اولوالالباب میں سے کسی کی نگاہ نکتہ رس قرآن پاک کے اس حسنُ کو ایک ہی نظر میں بے پردہ دیکھ لے، جسے قرآن حکمت سے موسوم کرتا ہے۔ خود اللہ تعالےٰ نے ابلاغ قرآن کے سلسلے میں تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت کو الگ الگ کر کے رکھا ہے چنانچہ میں نے عنوان موضوع میں اخذ حکمت کے معنوں میں ہی علامہ اقبال

اور ڈاکٹر رفیع الدین کو نکتہ رس قرار دیا ہے۔ ان دونوں بزرگان دین نے قرآن کی کوئی تفسیر نہیں لکھی البتہ قرآن حکیم سے "نظریہ خودی" اور "داعیہ الی العین" کے لئے اخذ کر کے انہیں قرآن پاک کی تعلیمات کے ابلاغ کا ذریعہ بنایا ہے۔

میری اس تلخ نوائی کو گوارا کیا جائے کہ اب تک علامہ اقبال کے نظریہ خودی پر جو کام کیا گیا ہے وہ زیادہ تر اقبال کے اطراف و اکناف میں ہی ہوا ہے اور اس نظریہ کے سرچشمہ حقیقی یعنی قرآن حکیم پر بہت ہی کم توجہ دی گئی۔ محققین اقبال کے پیش نظر بالعموم یہی رہا کہ اقبال کے منابع فکر فشٹے، نیٹشے، برگساں، میکٹیگرٹ اور جیمز وارڈ میں تلاش کئے جائیں۔ حالانکہ خود علامہ اقبال تعمیر فکر سے پہلے تطہیر فکر کو ضروری بلکہ لازمی خیال کرتے ہیں۔

پس نخستیں بایدش تطہیر فکر بعد ازاں آساں شود تعمیر فکر

اور تصور خودی کے بارے میں تو انہیں شدت سے اصرار ہے کہ اس کا حقیقی ماخذ قرآن اور صرف قرآن ہے۔ مثنوی اسرار و رموز کے اختتام پر حضور رحمۃ اللعالمین میں عرض کرتے ہیں :-

گر دلم آئینہ بے جوہر است ور بحرفم غیر قرآں مضمر است
پردۂ ناموس فکرم چاک کن ایں خیاباں را ز خارم پاک کن
روز محشر خوار و رسوا کن مرا بے نصیب از بوسۂ پا کن مرا

علامہ اقبال سے بہت پہلے مرشد رومی نے بھی "من ز قرآں مغز را برداشتم" کا دعویٰ کیا۔ مجھے اس شعر کے دوسرے مصرع یعنی "استخواں پیش سگاں انداختیم" سے اتفاق کرنے میں ہمیشہ تامل رہا ممکن ہے ان کا اشارہ ایسے لوگوں کی طرف ہو جو بقول قرآن قلب و نظر کی کجی کے باعث قرآن سے ہدایت کی بجائے ضلالت کے طلب گار ہوتے ہیں یا اس قسم کے لوگ جن کی مثال خود قرآن میں کتے سے دی گئی ہے اور جو آیات قرآنی سے ترفع حاصل کرنے کی بجائے حرص و آز کی پستیوں میں گرے رہتے ہیں۔ تاہم جہاں تک پہلی بات یعنی قرآن سے "مغز را برداشتم" کا تعلق ہے وہ اپنی جگہ بڑی صحیح اور بلیغ بات ہے کیونکہ اگر کلمہ طیبہ کے اقرار لسانی اور تصدیق قلبی سے انسان مقصود قرآن سے آشنا ہو کر کافر کی بجائے مومن کہلانے کا مستحق قرار پاتا ہے تو کلمہ طیبہ کو جوہر قرآن یا مغز قرآن کہنے میں آخر کیا مضائقہ ہے۔ اسی طرح اگر سورہ فاتحہ کو پورے قرآن کا خلاصہ اور ایاک نعبد و ایاک نستعین کی آیت کو سورہ فاتحہ کی روح قرار دیا جائے تو اس میں بھی کسے اختلاف کی گنجائش ہوگی۔ چنانچہ جب حضرت علامہ فرماتے ہیں :-

قلندر جز دو حرف لا الہ کچھ بھی نہیں رکھتا — فقیہہ شہر قاروں ہے لغت ہائے حجازی کا

تو یہ بھی ایک طرح "من ز قرآں مغز را برداشتم" کی صدائے بازگشت ہے۔ علامہ اقبال نہ فقیہہ شہر ہیں نہ لغت ہائے حجازی کے قارون اور نہ ہی آپ نے کوئی تفسیر تصنیف کی۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ انہوں نے کلمہ طیبہ میں قرآن کی ساری تجلیات کو مرتکز دیکھا اور قلب مومن جب اس مرکز تجلیات کا مہبط قرار پائے تو علامہ اقبال کی مخصوص اصطلاح میں اس کا نام خودی ہے۔

خودی کا سر نہاں لا الہ الا اللہ — خودی ہے تیغ فساں لا الہ الا اللہ

قرآن کے نزدیک بھی انسان کا وہی احساس نفس حقیقی اور معتبر ہے جو تعلق باللہ کے نتیجے میں پیدا ہوا۔ اس معنی میں قرآن نہایت واضح الفاظ میں 'خودی' کی تلقین کرتا ہے۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ

اس آیت کی رُو سے خدا فراموشی اور خود فراموشی اور دوسرے لفظوں میں خداشناسی اور خود شناسی لازم و ملزوم ہیں۔ یعنی انسان کی اصل حقیقت کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہی ہے جس کا پہلا جزو اگر نظریہ زندگی ہے تو دوسرا جزو طرز زندگی اور جب انسان اس کا اقرار کرتا ہے تو گویا اپنی ہی حقیقت سے آشنا ہوتا ہے۔ انسان اگر کلمہ ہے تو خدا کی محبت اس کا معنی۔ وہ خدا جو انسان کی رگِ جاں سے قریب تر ہے۔ ایسی خداشناسی کے ساتھ خود شناسی کے نتیجے میں انسان کے اندر جو احساس نفس بیدار ہوتا ہے وہ ہر غیر اللہ سے بغاوت کو مقتضی ہے اس سے انسان کے اندر کائنات کی دوسری چیزوں کے مقابلے میں اپنی بزرگی اور برتری کا احساس، ہر قسم کے خوف و غم سے آزادی، بے پناہ خود اعتمادی اور شان استغنا جیسے اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں جنہیں قرآن بیدار کرنا چاہتا ہے۔ ان تمام اوصاف کے لئے خودی کا لفظ ایک نہایت مناسب لفظ تھا۔ جس کا انتخاب علامہ اقبال نے کیا۔ حالانکہ انہیں اس بات کا پورا پورا احساس تھا کہ ادبی نقطہ نظر سے اس لفظ کے اندر بڑی خامیاں ہیں اور اخلاقی نقطہ نظر سے بھی اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں اسے ہمیشہ بُرے معنوں میں استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ تاہم آپ نے اس لفظ کو مشرف بہ اسلام کر کے اپنی شعری ضروریات کے لئے اپنایا اور اپنے اشعار میں تعلیمات قرآن کے ابلاغ کے لئے اس سے بہت ہی خوب کام لیا۔ تعلیمات قرآن کے ابلاغ کے لئے خودی کی اصطلاح کئی اعتبار سے برجستہ ثابت ہوئی مثلاً حامل سرِ نہاں لا الہ کی حیثیت سے بس ایک لفظ کے اندر یکفر بالطاغوت اور یومن باللہ کا مفہوم سمٹ آیا ہے جو پورے قرآن کا خاصہ ہے ثانیاً یہ کہ اس ایک لفظ کے استعمال سے اسلامی

تصوف میں وحدت الوجود جیسے غیر اسلامی افکار کا، جنہوں نے نفی ذات کی تعلیم دے کر مسلمانوں کے قوائے عملیہ کو شل کر رکھا تھا، ازالہ ممکن ہوا۔ ثالثاً یہ کہ غلامی کے تاریک دور میں مسلمانوں کے اندر خود اعتمادی کو بحال کرنے اور آزادی کا جذبہ بیدار کرنے کے لئے بھی اس سے بہتر اور کوئی لفظ نہیں مل سکتا تھا اور رابعاً یہ کہ علمی انکشافات اور نئے فکری رجحانات کے اس دور میں جبکہ فلسفہ خودی مغرب میں بہت مقبول ہو رہا تھا۔ خودی کے لفظ نے مشرق اور مغرب کے درمیان ایک پُل کا کام دیا تھا اور اس طرح علامہ اقبال نے اس لفظ سے قرآنی تعلیمات کو مغرب میں پہنچانے کا کام لیا۔ نارتھروپ کی کتاب TAMING OF THE NATIONS میں ایک باب علامہ اقبال پر موجود ہے جس میں موصوف نے اعتراف کیا ہے کہ مشرق کی پوری شاعری مغربی ذہن کے لئے ایک تیرہ و تاریک جنگل کی مانند ہے۔ صرف اقبال کی شاعری ایسی ہے کہ آدمی یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ جیسے وہ تاریک جنگل یا کہر آلود فضا سے نکل کر کھلی اور روشن فضا میں پہنچ گیا ہو۔

ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم حکیم الامت علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"وہ خاتم الانبیاء جنہوں نے نوع انسانی کی حقیقت کائنات کا کامل تصور کیا ہے جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور وہ فلسفی جنہوں نے علمی حقائق کی ترقیوں کے اس دور میں سب سے پہلے اپنے فلسفہ کی بنیاد نبوت کاملہ کے عطا کئے ہوئے کامل تصور حقیقت پر رکھی، اقبال ہے اور وہ فلسفہ جو اس دور کے علمی حقائق کو نبوت کے عطا کئے ہوئے کامل تصور حیات کی بنیادوں پر منظم کرتا ہے فلسفہ خودی ہے۔"

دوسری جگہ لکھتے ہیں :-

"دنیا میں صرف ایک ہی فلسفہ باقی رہے گا اور وہ اقبال کا فلسفہ خودی ہوگا دوسرے تمام فلسفے یا تو کلیتہً مٹ جائیں گے یا نوع انسانی کے ادوار جہالت کی یادگار کے طور پر زندہ رہیں گے۔"

ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم کے خیال میں اقبال کے علم کلام نے گزشتہ اکابر اسلام کے علم کلام کو متروک کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں :

"پھر کیوں نہ اس مسلمان فلسفی کو نوع بشر کا آخری فلسفی اور آئندہ کے عالمگیر ذہنی انقلاب کا بانی قرار دیا جائے اور پھر اس سلسلہ میں شاید شاہ ولی اللہ اور محی الدین

ابن عربی جیسے اکابر اسلام کا نام لیا جائے لیکن اس زمانے کے خاص ذہنی حالات اور خاص علمی ماحول اور مقام کی بنا پر اقبال کو جو خصوصیات حاصل ہوئیں وہ آج سے پہلے کسی مسلمان کے فلسفہ کو نہ حاصل ہو سکتی تھیں اور نہ حاصل ہو سکی ہیں "

ڈاکٹر صاحب مرحوم اپنی تمام تصانیف اور حاصلاتِ فکر کو فیضانِ اقبال قرار دیتے ہیں اور بقول ان کے ان کا اپنا کارنامہ فقط یہ ہے کہ انہوں نے اقبال کے تصورِ خودی کو اس کے آخری نتائج تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم کا یہ کارنامہ نظریہ خودی کو نظریہ داعیہ الی العین تک وسعت دینا ہے۔ قرآن اور علم جدید میں فرماتے ہیں :-

"چونکہ انسان کی خودی کے تمام خواص اور اوصاف اس کی مرکزی خاصیت سے پیدا ہوتے ہیں کہ وہ ایک نصب العین سے محبت کرتی ہے اور اسی سے اپنا نظریہ حیات اخذ کرتی ہے لہذا ہم اسے نصب العینوں کا فلسفہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہی وہ فلسفہ خودی ہے جس کا آغاز اقبال نے کیا تھا"

اسی کتاب میں ایک اور جگہ وہ داعیہ الی العین کے فلسفہ کو "ترقی یافتہ فلسفہ خودی" سے تعبیر کرتے ہیں اس فلسفہ کی رُو سے انسان ہمہ تن خدا کی محبت کا جذبہ ہے اور اس کی تمام خواہشات اس جذبہ کے ماتحت اس کی تابعدار اور خدمت گزار ہیں۔ اور اسی کی کامل تسلی اور تشفی کے لئے اپنا وجود رکھتی ہیں۔ یہ وہی حقیقت ہے جس کو علامہ اقبال نے لباس شعر میں یوں پیش کیا ہے :

نہ ہو طغیانِ مشتاقی تو میں رہتا نہیں باقی   کہ میری زندگی کیا ہے یہی طغیانِ مشتاقی

یا مولانا روم فرماتے ہیں :

اے برادر تو ہمہ اندیشہ   مابقی تو استخوان و ریشہ

اور :-

آدمی دید است باقی پوست است   دید آں باشد کہ دیدِ دوست است

ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ اور فطرت اللہ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ انسان بنایا ہی اسی طرح سے گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرے فرماتے ہیں :

"محبت کی تلاش میں وہ ہر آن اور ہر لحظہ سرگرداں ہے اور اس کی ساری زندگی اسی تلاش کے لئے وقف ہے وہ ایک ایسے محبوب کامل کی تلاش میں ہے جو اس کی فطرت کے

تقاضائے محبت کو بہ تمام و کمال پورا کر سکے۔ پہلے انسان سے لے کر آج تک نوع بشر کی ساری تاریخ اسی محبوب کی تلاش کی ایک طویل داستان ہے جس کے اکثر باب خونچکاں اور دلفگار ہیں لیکن بعض بعض دل افروز اور دل نواز بھی ہیں۔ خدا کے انبیاء اس لئے آئے کہ انسان کو بتائیں کہ جس محبوب کو وہ چاہتا ہے وہ کون ہے اور اس سے محبت کرنے اور اس کی رضامندی حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے "

قرآن حکیم مومنین کی صفت میں یہ بتاتا ہے کہ وہ خدا سے شدید محبت رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک عقیدہ توحید درحقیقت انسان کے داعیہ الی العین کا کامل جواب ہے۔ فرماتے ہیں :-

"اگر ہم چاہیں کہ اسلام کی طرف سے اس دور کے تمام فلسفوں کا جواب ایک ہی فقرہ میں دیں یا اسلام کے نظام حکمت کو ایک ہی فقرہ میں بیان کریں تو دونوں اغراض کے لئے ایک ہی فقرہ کفایت کرے گا اور وہ حسب ذیل ہو گا :

"نصب العین کی محبت کا جذبہ جو انسان کے تمام اعمال کا سرچشمہ ہے، فقط ایک کامل نصب العین سے ہی کامل طور پر مطمئن ہو سکتا ہے انسان کی فطرت کا ایک مستقل اور پیدائشی تقاضا ہے"

یعنی بقول اقبال ؒ

عاشقی توحید را بر دل زدن وان گہے خود را بہر مشکل زدن

فطرت انسانی کے بارے میں قرآن سے یہ کلیہ اخذ کر لینے کے بعد ڈاکٹر صاحب حیات، مذہبیات، مدنیات اور روحانیات کی تشریح اسی اصل الاصول کے تحت کرتے ہیں مثلاً ان کے نزدیک موجودہ زمانہ حقیقی معنوں میں نصب العینوں کا زمانہ ہے جس کی خصوصیت یہ ہے کہ انسان کے نصب العین اس کی جبلی اور حیوانی خواہشات سے بلند ہو کر علمی اور عقلی نظریات اور فلسفوں کی صورت اختیار کر گئے ہیں اور ہر قوم اپنی سیاسی زندگی کو جو بالآخر انسان کی ساری زندگی کو محیط ہے کسی نہ کسی فلسفہ کی اساس پر استوار کرنے کی کوشش میں لگی ہوئی ہے اور جوں جوں نصب العین بلند اور واضح ہوتے جارہے ہیں نصب العینوں کی باہمی جنگ شدید اور تباہ کن ہوتی جا رہی ہے اور نوع بشر وجدانی طور پر یہ محسوس کر رہی ہے کہ رائج الوقت نصب العینوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو عقلی اعتبار سے بھی درست اور تسلی بخش ہو اور انسان کے اخلاقی اور روحانی تقاضوں کو بھی پورا کر سکے۔ ڈاکٹر صاحب دور حاضر کے علمی نظریات سے استدلال کر کے ثابت کرتے ہیں کہ فقط اسلام کا عقیدہ توحید ہی واحد نصب العین ہے جو تمام انسانی تقاضوں کو

کا ملاً پورا کر سکتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی ساری تحریریں اسی محور کے گرد گھومتی ہیں اور اپنی ان تحریروں میں انہوں نے اپنے استدلالات میں عصر حاضر کی علمی صداقتوں کو سمو کر اس علم کلام کو چار چاند لگاتے ہیں جس کی طرح نو علامہ اقبال اپنے خطبات میں ڈال گئے تھے۔

علامہ اقبال اور ڈاکٹر رفیع الدین دونوں نے بفحوائے حدیث، حکمت حاضرہ کو اپنا گم شدہ سرمایہ جان کر بڑی مستعدی کے ساتھ اخذ کیا اور ہر غلط فلسفہ کے بارے میں قرآن کے موقف کو جدید معیاری علمی اور عقلی استدلال کا جامہ پہنا کر دشمن کا مقابلہ دشمن ہی کے آلات سے کیا دونوں قرآن حکیم کے اس دعوے میں شدت کے ساتھ یقین رکھتے تھے کہ انفس و آفاق کے وہ تمام حقائق جن کا تعلق کسی بھی طرح انسان کی نشو و نما، ترقی اور ترفع سے ہے وہ اس کتاب حکیم کے اندر سمو دیئے گئے ہیں اور نو بنو علمی انکشافات سے ان کی تصدیق ہو رہی ہے جس کے پیش نظر یہ ضروری ہو گیا ہے کہ اس کتاب زندہ کی ان تجلیات تازہ بہ تازہ سے کسب نور کر کے بنی نوع انسان کے قلوب و اذہان کو منور کیا جائے۔ اور یہ بات ہے بھی بہت اہم کیونکہ خاتم الکتب ہونے کی حیثیت سے قرآن مجید علم و حکمت کے خاتمے کا اعلان کرنے نہیں آیا بلکہ علم و حکمت کو جاری کرنے کی نوید سنانے آیا ہے جس کے لئے علامہ اقبال اور ڈاکٹر رفیع الدین کی طرح نکتہ رسی شرط ہے۔

دعوت و تبلیغ دین کے موضوع پر

مولانا امین احسن اصلاحی

کی شاہکار تصنیف

دعوتِ دین

اور اس کا طریق کار

سائز ۲۲/۱۸، صفحات ۲۳۲ کاغذ نیوز پرنٹ طباعت آفسٹ

مجلد مع ڈسٹ کور، قیمت ۵/- روپے

شائع کردہ

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

اسرار احمد

مرتبۂ صدّیقیّت اور سیرتِ صدّیقی رضؓ آئینۂ قرآن میں

۲۰، ۲۱ مئی ۱۹۷۳ء کو برکت علی اسلامیہ ہال لاہور میں ایک دو روزہ کانفرنس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، وارضاہ کی سیرت کے موضوع پر منعقد ہوئی تھی جس کی آخری نشست سے راقم الحروف نے بھی خطاب کیا تھا وہاں جو گذارشات پیش کی گئیں وہ معمولی حک و اضافے کے ساتھ درج ذیل کی جا رہی ہیں —— اسرار احمد

حمد و ثنا، درود و سلام اور دعا کے بعد :

صاحب صدر اور سامعین کرام !

آپ کو معلوم ہے کہ یہ سیرتِ صدیق اکبر رضؓ کانفرنس کی آخری نشست ہے۔ کل شام اسی وقت ایک مشاعرہ منعقد ہوا تھا اور آج صبح اس کانفرنس کی اصل اور بڑی نشست بھی منعقد ہو چکی ہے جس میں متعدد اہل علم و فضل حضرات اظہار خیال کر چکے ہیں بدقسمتی سے میں اپنی بعض مصروفیات کے باعث اس میں شرکت نہ کر سکا۔ اس کا ایک نقصان تو مجھے ہوا یعنی یہ کہ میں ان حضرات کے خیالات سے مستفید نہ ہو سکا اور دوسرا نقصان آپ کو ہو گا اور وہ یہ کہ عین ممکن ہے کہ آپ کو وہی باتیں جو آپ ان حضرات سے سن چکے ہیں، دوبارہ مجھ سے بھی سننی پڑیں اور یہ تکرار آپ پہ گراں گذرے اور تکدر طبع کی موجب ہو۔

تاہم میں نے اپنی گذارشات کے لئے جو نقشہ تجویز کیا ہے اس سے مجھے امید ہے کہ آپ زیادہ بور نہیں ہوں گے اس لئے کہ اس میں سیرۃ صدیقی رضؓ کا عام معلوم اور معروف مواد کم از کم ایک نئی ترتیب سے

ضرور سامنے آئے گا اور اس نئی ترتیب کے باعث تکرار کی کوفت کم ہو جائے گی۔

وہ نئی ترتیب یہ ہے کہ میں اصلاً قرآن حکیم کی روشنی میں مقام صدّیقی اور مرتبۂ صدّیقیت کا تعین کرنے کی کوشش کروں گا اور یہ بتاؤں گا کہ از روئے قرآن حضرات صدّیقین کا مرتبہ و مقام کیا ہے اور ان کے خصائص و اوصاف کیا ہیں اور اس طرح یہ بات آپ سے آپ واضح اور از خود مبرہن ہو جائے گی کہ جیسے مقام نبوّت کی مظہر اتم اور مرتبہ رسالت کی مصداق کامل ہے۔ ذات محمدی علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام ایسے ہی مقام صدّیقی اور مرتبہ صدّیقیت کا جامہ اگر بتمام کمال راست آتا ہے تو صرف شخصیت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر۔

اس ترتیب کلام سے جہاں آپ پر تکرار کا بوجھ کم ہو جائے گا وہاں مجھے بھی بہت سہولت ہو جائے گی اس لئے کہ میں اصلاً قرآن حکیم ہی کا ایک ادنیٰ طالب علم ہوں اور کسی بھی موضوع سے میری اصل دلچسپی قرآن مجید ہی کے حوالے سے ہے۔

صدّیق کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

اس سلسلے میں سب سے پہلے ہمیں لفظ 'صدّیق' کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم متعین کر لینا چاہیئے۔

صدّیق کا لغوی مفہوم لغوی اعتبار سے صدّیق، صدق سے فِعّیل کے وزن پر مبالغے کا صیغہ ہے گویا اس کے لفظی معنی ہوئے : **پیکرِ صدق و وفا، سراپا راستی اور مجسّم سچائی**

سب جانتے ہیں کہ سیرت و اخلاق کے جملہ محاسن میں صدق و راستی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ گویا وہ جملہ اوصافِ حسنہ کی اساس اور اُمّ ہے جبکہ جھوٹ اور کذب کو اُمّ المعائب کا مقام حاصل ہے۔ وہ مشہور واقعہ بھی یقیناً آپ کو معلوم ہو گا کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور! مجھ میں بہت سے بڑے بڑے عیب ہیں لیکن میں ان سب کی بیک وقت اصلاح پر قادر نہیں ہوں البتہ ان میں سے کوئی ایک جو آپ فرمائیں میں چھوڑ دوں گا اس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب نوشی اور بدکاری پر بھی ترکِ کذب کو مقدم رکھا چنانچہ یہی ایک چیز اس کی مکمل اصلاح کا ذریعہ بن گئی۔

صدق اور صادق کا مقام از روئے قرآن قرآن حکیم کے مطالعے سے صدق کی جو عظمت سامنے آتی ہے اور کتاب الٰہی میں صادق کا لفظ جس گمبھیر معنی اور وسیع مفہوم میں استعمال ہوتا ہے اس کا کسی قدر اندازہ مندرجہ ذیل آیات سے ہو سکتا ہے

۱۔ سورہ حجرات کی آیت ۱۵ میں حقیقی مومن کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا	مومن تو صرف وہ ہیں جو ایمان لاتے ہیں
بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا	اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر، پھر شک نہیں
وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ	کرتے اور جہاد کرتے ہیں اپنی جانوں اور اموال
فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ	کے ساتھ اللہ کی راہ میں۔ حقیقت میں صرف
الصَّادِقُونَ ۝	یہی لوگ سچے ہیں!

گویا از روئے قرآن 'مومن' اور 'صادق' ہم معنی الفاظ ہیں۔

۲۔ سورہ بقرہ کی آیت ۱۷۷ میں نیکی کے ایک محدود مفہوم کی نفی اور نیکی کا حقیقی اور جامع تصور پیش کرتے ہوئے فرمایا:۔

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ	نیکی یہی نہیں ہے کہ تم اپنے چہرے مشرق
قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ	اور مغرب کی جانب پھیر دو بلکہ حقیقی
الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ	نیکی اس کی ہے جو ایمان لایا اللہ پر،
الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ	فرشتوں پر، کتابوں پر اور انبیاء پر
وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ	اور دیا اس نے مال اس کی محبوبیت
ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ	کے علی الرغم رشتہ داروں کو اور یتیموں
وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَ	کو اور محتاجوں کو اور مسافر کو اور سائلوں
فِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَ	کو اور گردنوں (کو آزاد کرانے) میں اور قائم
آتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِ	کی نماز اور ادا کی زکوٰۃ اور نبھانے والے
هِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي	اپنے عہد کے جبکہ باہم کوئی معاہدہ کر
الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ	لیں اور خصوصاً صبر کرنے والے، فاقوں میں تکلیفوں
أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَٰئِكَ	میں اور جنگ کے وقت۔ یہی ہیں وہ لوگ جو حقیقتاً
هُمُ الْمُتَّقُونَ ۝	سچے ہیں اور یہی ہیں صحیح معنوں میں متقی!

گویا از روئے قرآن نیکی، تقویٰ اور سچائی مترادف ہیں۔

۳۔ سورۂ احزاب کی آیت ۲۳ میں سچے مومنوں کی مدح میں فرمایا:۔

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا	اہل ایمان میں وہ جوانمرد بھی ہیں جنہوں

مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝ لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ...

نے سچ کر دکھایا اپنا وہ عہد جو انہوں نے اللہ سے کیا تھا۔ ان میں وہ بھی ہیں جو اپنی نذر پیش کر چکے اور وہ بھی ہیں جو اس کے منتظر ہیں (بہر نوع) انہوں نے اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی: تاکہ اللہ بھرپور صلہ دے سچوں کو ان کی سچائی کا۔۔۔

اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ سورہ مریم (آیت ۵۴) میں جو حضرت اسمٰعیل کے بارے میں فرمایا

اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ... یقیناً وہ وعدے کا سچا تھا ...

تو یہ کتنی بڑی ستائش اور کیسی عظیم مدح ہے۔

۴۔ سورہ عنکبوت کے آغاز میں اہل ایمان کے لئے اللہ تعالیٰ کے مستقل ضابطۂ ابتلاء و آزمائش کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے ابتداءً فرمایا:۔

فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۝ — اللہ یقیناً واضح کرکے رہے گا کہ کون سچے ہیں اور کون جھوٹے۔

اور چند ہی آیات کے بعد پردہ بالکل اٹھا دیا اور واضح الفاظ میں فرما دیا:

وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ۝ — اللہ یقیناً کھول کر رکھ دے گا کہ کون (واقعتہً) مومن ہیں اور کون (محض) منافق۔

گویا 'صادق' مومن ہے اور 'کاذب' منافق!

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ سورۂ توبہ میں منافقین کے مفصل ذکر اور طویل زجر و توبیخ اور لعنت و ملامت کے بعد جب یہ فرمایا کہ:۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (توبہ آیت ۱۱۹) — اے اہل ایمان! اللہ سے ڈرتے رہو اور سچے لوگوں کے زمرے میں شامل ہو جاؤ۔

تو یہ کتنی جامع نصیحت ہے اور نفاق سے بچنے کی کتنی پر زور تاکید!

"تصدیق بالحسنیٰ"

'صدق' اور 'صادق' کے اس وسیع اور گھمبیر مفہوم کو ذہن میں رکھ کر مزید غور کیجئے تو یہ بات بالکل دو اور دو چار کی طرح یقینی نظر آئے گی کہ جو شخص خود سچا ہو اور جس کا اپنا موقف راستی اور صداقت پر قائم ہو، یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ

وہ سچائی کا والہ و شیدا نہ ہو یہاں تک کہ کوئی صداقت اس کے سامنے پیش کی جائے اور وہ اسے رد کر دے اس کے بالکل برعکس ایسے شخص میں سچائی اور راستی کے لئے شدید حمیت پیدا ہو جانی لازمی ہے اور وہ ہر سچائی کو لپک کر قبول کرے گا اور ہر صداقت کی بڑھ کر تصدیق کرے گا اور اس راہ میں وہ نہ اپنی جھوٹی انا کو حائل ہونے دے گا نہ پر خود غلط خودی کو، نہ کسی مصلحت کو آڑے آنے دے گا نہ کسی مفاد کو، نہ کسی خطرے کو خاطر میں لائے گا نہ اندیشے کو، نہ کسی سے کٹنا اسے گراں معلوم ہو گا نہ کسی سے جڑنا، نہ کوئی 'ترک' اسے بھاری محسوس ہو گا نہ 'اختیار'۔ نہ کوئی 'امر' کٹھن نظر آئے گا نہ کوئی 'نہی' ـــــ بلکہ صدق اور صداقت کے ساتھ اس کا خلوص و اخلاص ان سب مراحل کو آسان بنا دے گا گویا 'صدّیق' کے لئے لازم ہے کہ وہ ہر صداقت کی تصدیق پہ ہر دم اور ہر آن آمادہ ہو۔ اور قرآن حکیم کے الفاظ میں "تصدیق بالحسنیٰ" صدیقیت کا وصف لازم ہے۔

صدّیق کا اصطلاحی مفہوم

چنانچہ علامہ آلوسی صاحب تفسیر روح المعانی جب لفظ 'صدّیق' کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ :

اَلْمُتَقَدِّمُ فِی التَّصْدِیْقِ وَالْمُبَالِغُ فِی الصِّدْقِ وَالْاِخْلَاصِ فِی الْاَقْوَالِ وَالْاَفْعَالِ	وہ شخص جو تصدیق میں پہل کرے اور خود اپنے اقوال و افعال میں حد درجہ سچا اور مخلص ہو!

تو فنی اعتبار سے یقیناً یہ ایک بہت جامع و مانع تعبیر ہے لیکن حقیقتہً صدّیقیت کی اتنی ہی جامع و مانع تعبیر موجود ہے قرآن حکیم کے ان حد درجہ مختصر لیکن انتہائی پُرشکوہ الفاظ میں کہ :-

وَالَّذِیْ جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ (سورہ زمر آیت ۳۳) (جاری)	وہ شخص جو خود بھی صداقت پہ قائم رہا اور ہر سچائی کی تصدیق بھی کرتا رہا!

انبیائے کرام کے طریق انقلاب پر

مولانا امین احسن اصلاحی

کی ایک مختصر لیکن جامع تحریر

اقامتِ دین کے لئے انبیا کرام کا طریق کار

سائز ۱۸×۲۲ صفحات ۳۲، کاغذ نیوز پرنٹ طباعت آفسٹ غیر مجلد قیمت ۵۰/-

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

چالیسویں سالگرہ

أعوذ بالله من الشيطن الرجيم

بسم الله الرحمن الرحيم

حَتّٰی

یہاں تک کہ

إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ

جب وہ اپنی پوری پختگی کو پہنچتا ہے

وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً

اور چالیس برس کا ہو جاتا ہے

قَالَ

تو کہتا ہے کہ

رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَى وَالِدَيَّ

اے میرے پروردگار! مجھے توفیق دے کہ میں ان انعامات کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کیے

وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ

اور ایسے نیک اعمال کروں جو تجھے پسند ہوں

وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي

اور میری اولاد کو میرے لیے بھلائی کا ذریعہ بنا

إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ

میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں — اور — میں فرمانبرداروں میں سے ہوں!

(سورۂ احقاف - آیت - ۱۵)

خلق اطفال اند جز مرد خدا ★ نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا (رومیؒ)

چہل سالِ عمرِ عزیزت گذشت
مزاج تو از حالِ طفلی نہ گشت (سعدیؒ)

Regd. No. L. 7360

Monthly "MEESAAQ" Lahore

Vol. 21 | FEBRUARY 1974 | No. 1-2

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ

تا کہ حق کو حق ثابت کر دے اور باطل کو باطل (سورۃ انفال)

اسلامی تحقیق کا مفہوم مدعا اور طریق کار

ہمارے تحقیق اسلامی کے اداروں کے سامنے کرنے کا اصل کام

ڈاکٹر محمد رفیع الدین

ایم اے۔ پی ایچ ڈی۔ ڈی لٹ

"...... ... ...محترم ڈاکٹر رفیع الدین صاحب کے اس مقالے سے میرے دل کو سب سے زیادہ اطمینان حاصل ہوا ہے۔ میرے نزدیک اسلامی ریسرچ کا صحیح تصور یہی ہے جو اس مقالے میں پیش کیا گیا ہے ...."

مولانا امین احسن اصلاحی

"............اس موضوع پر میری نظر سے اس سے زیادہ تشفی بخش تحریر اب تک نہیں گزری........اسلامی موضاعات پر کام کرنے والوں کے لئے یہ کتابچہ ایک دستورالعمل کا درجہ رکھتا ہے............"

ڈاکٹر سید عبداللہ، سابق پرنسپل یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور

قیمت قسم اعلیٰ: ڈیڑھ روپیہ، قسم ادنیٰ: ایک روپیہ، محصول ڈاک اس کے علاوہ

ملنے کا پتہ:

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

۱۲۔ افغانی روڈ ۔ سمن آباد ۔ لاہور (فون: ۶۸۲۴۵)

پبلشر: محی الدین، طابع: شیخ محمد اشرف مالک اشرف پریس ایبک روڈ ۔ لاہور

مقام اشاعت: کوثر روڈ، اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور